مقدمہ
ترجمۃ القرآن

حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سلفی رحمہ اللہ

تنظیم الدعوۃ الی القرآن والسنۃ

Scanned with CamScanner

مُقدّمہ

ترجمة القرآن

للاستاذ الامام النظار الشیخ ثناء اللہ رحمتہ اللہ علیہ

از قلم

حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سلفی رحمۃ اللہ علیہ

Scanned with CamScanner

جملہ حقوق محفوظ ہیں

ترجمة القرآن

مولف : ---------- للاستاذ الامام العلامہ الشیخ ثناء اللہ

کمپوزنگ : ---------- مشتاق حسین

تعداد : ---------- (دوسرا ایڈیشن) 1100

ناشر : ---------- تنظیم الدعوۃ إلی القرآن والسنہ گوالمنڈی۔راولپنڈی

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

فہرس

عنوان	صفحہ
عیسائی	۷
یہودی	۸
مجوسی	۹
صابی	۹
اسلامی معاشرے کی وسعت	۱۰
قرآن عزیز کا طریق ہدایت	۱۰
دوسری مثال	۱۱
شرک ام الامراض ہے	۱۲
منکرین حدیث	۱۳
اس حقیقت سے اعراض کا اثر	۱۳
قرآن عزیز کی حفاظت	۱۴
قرآن عزیز کا سرکاری نسخہ	۱۵
سابقہ آسمانی کتابوں کی کیفیت	۱۹
محدثین میں دو ذہن	۲۰
ائمہ حدیث کا دوسرا ذہن	۲۰
اللہ تعالیٰ کی حفاظت	۲۳
قرآن عزیز کے مفہوم کی حفاظت	۲۳
الشھود والشھادۃ	۲۹
صحیح احادیث	۳۶
تفسیر صحابہ	۳۶
اختلاف کی نوعیت	۳۹
خلاصہ کلام	۴۰
لغت عرب	۴۱
تجوید	۴۳
اوقاف	۴۴
نسخ کے معانی	۴۸
قرآن مجید میں نسخ	۴۹
نسخ پر اعتراض	۵۰
قرآن عزیز میں نسخ کا اندازہ	۵۰
حضرت مولانا ثناء اللہ صاحبؒ مرحوم	۵۳
انگریز کی بدحواسی	۵۴
مجاہدین پر اس انقلاب کا اثر	۵۴
ایک اور میدان کارزار	۵۵
حضرت مولانا ثناء اللہ کی آمد	۵۵
مرحوم میں جامعیت	۵۶
مرحوم کی ذہانت	۵۶
مولانا کے باقیات صالحہ	۵۹
مسئلہ صفات	۶۰

Scanned with CamScanner

قرآن عزیز ایک انقلابی دستاویز ہے جس نے عقائد، معیشت، سیاست، ادب اور اخلاق میں پرامن اور معنی خیز انقلاب برپا فرمایا۔ نزول قرآن مجید کے وقت چار قسم کے عقائد یا پانچ مذہبی طبقات عرب میں موجود تھے۔ مشرکین، یہود، عیسائی، مجوسی اور صابی۔ عقائد کے لحاظ سے یہ تمام طبقات مختلف تھے۔ اللہ تعالیٰ کے متعلق ان کے تصورات بالکل جدا جدا تھے جن میں بظاہر کوئی تطبیق ممکن نہ تھی۔ آبائی مشرکین عرب سینکڑوں الٰہ کے قائل تھے۔ الٰہ میں کاموں کی تقسیم اور ان کے مقام الوہیت تک رسائی کے پس منظر بھی عجیب عجیب تھے، مثلاً اساف اور نائلہ کا مقام الوہیت تک رسائی کا ذریعہ اخلاقی برائی اور بدکاری تھا۔ کلبی نے لکھا ہے کہ جب قوم عاد پر عذاب آیا تو یہ دونوں عاشق اور معشوق اپنے وطن سے غائب تھے، اپنے وطن میں ان کی محبت ناکام تھی محبت باطلہ کے سیاہ کارانہ عوامل تک ان کو حرم کعبہ میں کامیابی ہوئی، اور عذاب خداوندی میں یہ دونوں وہیں مسخ کر کے پتھر بنا دیئے گئے پھر عذابِ الٰہی کے بعد یہ انسان نما پتھر حرم کعبہ ہی میں رکھ دیئے گئے، اور ان کی پرستش شروع ہوگئی۔ طائف میں لات کی قبر اس لئے پوجی جاتی تھی کہ وہ حجاج کو ستو پلایا کرتے تھے یہ وہی ذہنیت ہے جو آج کل ہمارے ہاں کے قبر پرست حضرات کی ہے، اولیاء اللہ رحمتہ اللہ علیہم کے محاسن اور بزرگوں کے تذکروں کے بعد وسیلہ اور شفاعت کے خانہ ساز معانی گھڑ کر وہ بزرگوں کی پرانی قبروں کو حرکاتی صورت دے دیتے ہیں، اور پھر جوان کے اس مکروتزویر پر آواز اٹھائے ان کو بھلا برا اور منکر اولیاء کہہ کر اپنی دکان کی رونق بڑھانے کی کوشش کرتے ہیں۔

عیسائی:

عیسائیوں کے مختلف گروہ اور طبقات تھے، ان میں اساسی اختلافات پائے جاتے تھے، وہ بیسیوں گروہوں میں منقسم تھے، حجاز میں ان کی اقامت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم

Scanned with CamScanner

کی بعثت کے انتظار کے لئے تھی، لیکن آنحضرت ﷺ کی بعثت کے بعد یہ جنبۂ دل بدل چکا تھا، اب وہ آنے والے پیغمبر علیہ السلام کے سخت مخالف تھے، اس کا سب سے بڑا سہارا رومن امپائر تھی جس کی سازشوں کا جال مسیحی علماء کی معرفت جزیرۃ العرب میں پھیلا ہوا تھا۔ یہ عموماً تین خداؤں کے قائل تھے، ان کی تعیین، ان کے مراتب کی تشخیص کے متعلق ان کے ہاں عجیب عجیب تاویلات مشہور تھیں۔

یہودی:

تمام انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات میں توحید کی دعوت یکساں تھی، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعلیم توراۃ سے پہلے اور توراۃ کے بعد یکساں تھی، یعنی متلو اور غیر متلو میں مسئلہ توحید کے متعلق وہی کچھ آپ نے فرمایا تھا جو ان سے پہلے اور پچھلے نبی فرماتے رہے، لیکن یہود نے جہاں بیسیوں غلطیاں اور نافرمانیاں کیں، وہاں اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد کے عقیدہ کا بھی اختراع کیا۔ حضرت عزیر علیہ السلام کو ابن اللہ کہنے کے ساتھ اپنے متعلق بھی یہ دعویٰ کیا کہ ''نحن ابناء الله واحباءه''(۱)۔ یعنی ہم خدا کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں، ابناء پر احباء کے عطف نے معاملہ میں کچھ لچک تو پیدا کر دی تھی۔ لیکن یہ لچک عقائد میں مقاصد شرع کے خلاف تھی۔ خصوصاً جب عوام کے متعلق خطرہ ہو کہ وہ اس سے غلط متاثر ہوں گے۔ ابن کا لفظ کسی لحاظ سے بھی بولنا درست نہیں۔

مجوسی:

یہ لوگ آگ کو خدا کا مظہر سمجھتے تھے اور بعض فوائد کی بناء پر اس کی پرستش کرتے تھے۔ دنیا میں خیر و شر کے مظاہر کی بناء پر انہیں مغالطہ ہوا کہ خدا دو ہیں۔ ایک سے ہمیشہ خیر کا

---

(۱) یعنی ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں۔ (البقرۃ)

Scanned with CamScanner

ظہور ہوتا ہے، جسے وہ یزدان کہتے تھے، دوسرے سے شر کا ظہور ہوتا ہے، اس وہ اہرمن کہتے تھے، حالانکہ خیر و شر اضافی چیز ہے ان لوگوں نے غلطی سے ان دونوں صفات کو دو مستقل خداؤں کا مقام دے دیا۔ یہ فرقہ فارس کی سرحدوں پر پھیلا ہوا تھا، یہاں اس کی بڑی بادشاہت تھی جو سیاسی طور پر عربوں کے مذہب اور ان کی اخلاقیات پر اثر انداز ہو رہی تھی۔ عرب رسم و رواج پر فارسی کافی حد تک چھائے ہوئے تھے، ان کی تعلیمات اسلام کے ساتھ یہودیت اور عیسائیت سے بھی زیادہ متصادم تھیں، قرآن اور اسلام کی تعلیمات نے ان پر بھی اسی طرح اثر ڈالا جس طرح دوسرے مذاہب اس کی تعلیمات سے متاثر ہوئے۔

صابی:

فارس کی سرحد پر یہ لوگ اقامت پذیر تھے یہ ہوا پرست اور اپنی خواہشات کے غلام تھے۔ حلال اور حرام میں وہ کسی قانون کے پابند نہ تھے، جنسی تعلقات میں وہ بظاہر اپنے آپ کو آزاد سمجھتے تھے، جہاں تک مشہور ہے نکاح وغیرہ میں وہ کسی شریعت کے پابند نہیں تھے، جنسی تعلقات میں ان کے نظریات عام مذہبی دنیا سے بالکل الگ تھے ان میں سب سے بڑی دقت یہ تھی کہ ان کے اخلاقیات ہر عام دنیا سے مختلف تھے۔ ان کے پاس غالباً کوئی آسمانی پیغام تو نہیں تھا۔ لیکن دوسرے مذاہب سے حسب پسند انتخاب کے بعد انہوں نے اپنے لئے ایک مذہب کی صورت بنالی تھی۔ قرآن عزیز نے ایک گروہ کو صابی کے نام سے یاد کیا ہے۔ آئمہ تفسیر نے اس کی تشریح میں اختلاف فرمایا ہے، غالباً یہ وہی اباحی حضرات ہیں جنہیں قرآن عزیز نے صابی فرمایا ہے، انہوں نے تمام مروجہ مذاہب سے حسب منشاء بعض اشیاء انتخاب کر کے ایک نئے مذہب کی بنیاد رکھ لی تھی۔ اسلام نے اباحیت کے پورے نظام کو درہم برہم کر دیا۔ تقوی اور انابت الی اللہ کا سب سے زیادہ اثر ان کے خلاف پڑا کیوں کہ ان کے ہاں سارا انحصار نفس کی خواہشات پر تھا۔ شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ نے

Scanned with CamScanner

فوز الکبیر میں مشرکین اور یہود و نصاریٰ کو قرآن کے اولین مخاطب قرار دیا ہے، مجوسی اور اباحی مشرکین کے ضمن میں آجاتے ہیں۔

اسلامی معاشرے کی وسعت:

قرآن عزیز نے مذہب کے دائرہ کو وسیع فرما کر عبادات کے ساتھ معاملات، معاشیات اور اخلاقیات سب کو شامل فرما دیا اس لئے قرآنی تعلیمات کے اصلاحی اثرات ان فرقوں کی زندگی کے تمام گوشوں تک پہنچے۔ اس نے عبادات کے ساتھ بیوع، نکاح، طلاق، میراث، وصیت، قتال، صلح، عہود و مواثیق کی پابندی، سب کو اپنی لپیٹ میں لے لیا، اور جہاں جہاں بگاڑ موجود تھا اس کے متعلق واضح اور مضبوط ہدایات مرحمت فرمائیں۔ اس لئے قرآن عزیز اور سنت سنیہ کے نظام سے معاشرے کے تمام گوشے متاثر ہوئے اور تمام مذاہب کو ضرورت محسوس ہوئی کہ وہ اپنے پروگرام پر نظر ثانی کریں۔

قرآن عزیز کا طریق ہدایت:

قرآن عزیز عموماً اصولی ہدایات دیتا ہے وہ فروع پر تفصیلی گفتگو نہیں کرتا نہ ہی کتب فقہ کی سطح پر اترتا ہے اخلاق میں اسے علم الاخلاق کی اصطلاحی موشگافیوں سے تعلق نہیں ہوتا وہ ہدایت کے موضوع سے ہٹنے نہیں پاتا، تاریخ امم اور انبیاء کی سیرت پر بحث کرتے ہوئے وہ مورخ کا مقام کبھی اختیار نہیں کرتا وہ دنیا کے واقعات اور تاریخ کی وادیوں میں ہدایت اور رہنمائی کے لئے ضروری بنیادی نکات کو نمایاں فرماتا ہے، اور تاریخی حوادث کی وضاحت میں اس کا زور ان ہی نکات پر ہوتا ہے جو نوع انسان کی رہنمائی میں مفید ہو سکیں۔ غرض قرآن عزیز ہدایت کے اصول اور بنیادی نکات کی وضاحت فرماتا ہے، لیکن اگر کسی فرعی معاملہ میں بھی لوگ ڈگمگا رہے ہوں اور زندگی کی صحیح راہوں سے ہٹ رہے ہوں تو وہاں فروع کو بھی نظر انداز نہیں کرتا۔ مثلاً عرب معاشرے میں عورت کے ساتھ اس طرح معاملہ

Scanned with CamScanner

ہو رہا تھا کہ نکاح کے حقیقی فوائد اور ازدواجی زندگی کی برکات تقریباً ناپید ہو رہی تھیں۔ قرآن عزیز نے نکاح کے مسائل، طلاق، عدت اور نفقات کو فقہی انداز سے ذکر فرمایا، اور عورت کے حقوق کی پوری پوری نشاندہی فرمائی۔ میراث میں عرب کا جاہلانہ قانون ظلم تھا۔ نابالغوں کو محروم رکھتے، اور عورتوں کو کچھ نہیں دیتے تھے، اس لئے میراث کے متعلق فرداً فرداً حصص کی تعیین کر کے اس ظلم کی بندش کے لئے زجر آمیز احکام نافذ فرمائے جیسا کہ آیت ذیل سے واضح ہے:۔

تلك حدود الله ومن يطع الله ورسوله يدخله جنات تجرى من تحتها الانهٰر خالدين فيها ذلك الفوز العظيم۔ ومن يعص الله ورسوله و يتعد حدوده يدخله نارا خالدا فيها وله عذاب مهين۔

یہ اللہ کی حدیں ہیں جو اس کی اطاعت کرلے گا اسے دائمی جنت ملے گی جس میں نہریں بہتی ہوں گی اور یہ بے حد کامیابی کی بات ہے۔ اور جو شخص اللہ کی نافرمانی کرے اور اس کی حدوں کو توڑ ڈالے وہ ہمیشہ آگ میں داخل رہے گا، اور اسے ذلیل کرنے والا عذاب نصیب ہوگا۔

اس آیت کریمہ میں افراد کے حصص کی تعین کے بعد انہیں حدود اللہ کے مساوی قرار دیا ہے اور ان کے توڑنے پر دائمی عذاب کی خبر دی ہے۔ غرض قرآن مجید عام طور پر اصول اور کلیات سے بحث کرتا ہے، لیکن اگر ہدایت کا تقاضا یہ ہے کہ کہیں فروع پر بھی بقدر ضرورت گفتگو کی جائے تو فروع میں بھی ہدایت کے فریضہ کی تکمیل فرماتا ہے۔

دوسری مثال:

اس وقت کے مذہبی فرقوں میں عبادت کا رواج کم وبیش موجود تھا۔ لیکن اس کے لئے طہارت کی کوئی حتمی صورت موجود نہ تھی۔ اس لئے وضو اور تیمم کا تذکرہ تفصیل سے فرما

Scanned with CamScanner

دیا پس قرآن مقدس کا موضوع چونکہ ہدایت ہے اس لئے اس فرض کو ادا کرنے کے لئے اصول ہوں یا فروع ہر سطح پر وہ اپنا فرض انجام دیتا ہے، ہاں جس جگہ قرآن عزیز نے اصول بیان فرما کر خاموشی فرمائی ہے وہاں سنت میں قرآنی ہدایت کی تفصیل فرمائی، فریضہ ہدایت کی تکمیل فرمادی گئی ہے، بیوع اور ربوی (سودی) معاملات، بین الاقوامی امور اور صلح اور جنگ کے متعلق قرآن مقدس نے اساسی ہدایات دی ہیں، لیکن سنت نے ربوی بیوع اور سودی معاملات اور صلح اور جنگ کے متعلق بقدر ضرورت پوری تفصیل دے دی ہے، جس سے اسلامی تعلیمات کی تکمیل خود شارح حکیم کی زبان سے بصورت حدیث ہوگئی۔ آیت شریفہ هو الذی بعث فی الامیین رسولا منهم یتلوا علیهم ایاته و یزکیهم و یعلمهم الکتاب والحکمة میں اسی طرف اشارہ ہے۔

شرک ام الامراض ہے:

شرک تمام دنیا میں اجتماعی مرض تھا اور اب بھی ہے، اس پر قرآن حکیم نے سیر حاصل بحث فرمائی اور تمام شبہات اور ان کے پس منظر پر بڑی تفصیل سے روشنی ڈالی۔ مشرکین کے شبہات کسی راہ سے بھی آتے ہوں ان کا پورا پورا ازالہ کر دیا۔ غالباً توحید اور شرک کے مسئلہ پر امت نے آج تک جو کچھ کہا یا لکھا ہے، قرآن مجید اس سے بہت آگے ہے۔ یہودی، عیسائی، مجوسی اور دیگر مشرک گروہوں کو جو جو شکوک پیدا ہوئے اور جو ہو سکتے تھے یا آج کل کے مشرکین جو نت نئے شبہات پیش کرتے رہتے ہیں، قرآن حکیم نے ان سب کا ازالہ فرمادیا ہے۔ اسی طرح ثبوت قیامت، جزا و سزا قرآن کے اساسی مسائل ہیں، ان پر قرآن عزیز نے مفصل اور سیر حاصل بحث کی ہے۔ طالب علم کا فرض ہے کہ قرآن عزیز پر اسی انداز سے غور و فکر کرے۔

Scanned with CamScanner

منکرین حدیث:

اگر مقدمہ کی تنگ دامانی مانع نہ ہوتی تو یہاں موقعہ تھا کہ مکی سورتوں سے عقائد کی تفصیل، مباحث شرک اور اس کی اقسام، توحید اور اس کی انواع کو قرآن کی روشنی میں ذکر کیا جاتا۔ سورہ انفال، سورۃ توبہ، سورۃ محمد سے جنگ اور صلح کے متعلق اسلامی تعلیمات کا مفصل تذکرہ کیا جاتا، لیکن معلوم ہے کہ یہ مختصر سا مقدمہ اس کا متحمل نہیں اس لئے میں امید رکھتا ہوں کہ قرآن عزیز کے طالب علم ان مسائل کے متعلق اصول سمجھ لینے کے بعد فرعی اور تفصیلی ہدایات خود مرتب کریں گے۔ تاکہ مغربی اقوام کی ہوس ملک گیری اور روس کے بے روح فلسفہ کے سامنے ایک تیسرا نظریۂ حیات پوری تفصیل کے ساتھ آجائے اور غلط اور صحیح میں امتیاز آسان ہو جائے۔ لیکن اس وقت قرآن عزیز کے بیان اور تفصیل کا اجمالی تذکرہ مقصود ہے، اور اس جامعیت کا اجمالی تصور جو اسلام نے زندگی کے تمام گوشوں کے متعلق پوری دنیا کو دیا ہے، تاکہ قرآن عزیز سے اصولی ہدایات تلاش کی جائیں۔

اس حقیقت سے اعراض کا اثر:

امت نے ہمیشہ قرآن عزیز کو اس نظر سے دیکھا اور اسی طرح سمجھنے کی کوشش کی، اور تفصیل کے لئے احادیث اور آثار کی طرف توجہ کی یا پھر فقہ المذاہب اور فقہ الحدیث کی مروجہ کتب کی طرف توجہ کی اور محققین آئمہ کی تصانیف سے استفادہ فرمایا لیکن یہ بھی ایک حادثہ سے کم نہیں کہ احادیث کی تفصیلی ہدایات بعض آزادی پسند طبائع کی نظروں میں مدت سے کھٹک رہی تھیں، معتزلہ، جہمیہ، روافض، خوارج اور اکثر بدعتی گروہ حدیث کی تفصیلات سے گھبراتے تھے لیکن وہ اہل علم تھے، پس علمی بصیرت کی وجہ سے وہ فن حدیث کا کھلا انکار نہ کر سکے۔ خوارج نے حسبنا کتاب اللہ کہنے کے باوجود حدیث کے دامن کو بالکلیہ چھوڑنے کی جرأت نہیں کی انہیں اس راہ کی دشواریاں معلوم تھیں۔ اور وہ خوب جانتے تھے کہ انکار

Scanned with CamScanner

حدیث کے بعد مذہب ایک چیستان بن کر رہ جائے گا۔ مگر آج سے قریباً ستر سال قبل لاہور سے ایک شخص نے احادیث کے خلاف کھل کر آواز اٹھائی، اور حدیث کی حجیت سے کھلے طور پر انکار کیا بتدریج اس نظریے نے تحریک کی صورت اختیار کی جواب تک ملک میں کم وبیش چل رہی ہے، لیکن اس عرصہ میں تحریک کا انجام یہ ہوا کہ یہ حضرات آج تک نماز تک کا فیصلہ نہیں کر سکے کہ کس طور پر، کس تعداد میں، کن کن اوقات میں اسے ادا کیا جائے۔ ابتداء میں تحریک انکار حدیث کے یہ گمراہ قائدین نماز کی فرضیت، رکعات، اوقات کی پابندی کا اعتراف کرتے تھے، اب منکرین حدیث کے فقہاء اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ نماز کوئی اساسی مسئلہ نہیں ہے نہ ہی اللہ تعالیٰ کو اس ورزش کی ضرورت ہے، نہ ہی اوقات اور رکعات پر اصرار چنداں ضروری' نہ ہی اس کی وضع میں قیام، رکوع، سجود، اذکار ضروری ہیں' مقصود عبادت ہے، جہاں چاہے، جیسے چاہے جتنی چاہے جس وقت جو مناسب سمجھے اسی میں پڑھ لے۔ فہم حدیث سے تو ایسے بدنصیبوں کا محروم ہونا موجب تعجب نہ تھا اس لئے کہ وہ حدیث کا سرے سے انکار ہی کر بیٹھے، عجیب بات یہ ہے کہ ان سے قرآن عزیز کا فہم بھی سلب کر لیا گیا، اب وہ جس قدر حدیث سے جاہل ہیں اسی طرح وہ قرآن عزیز سے بھی ناآشنائے محض ہیں صرف نکتہ چینی اور سلبی مباحث ان حضرات کا سرمایۂ افتخار رہ گیا ہے۔

قرآن عزیز کی حفاظت:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مبعوث فرمائے گئے عرب حضریت (یعنی شہریت) سے ناآشناء تھے، بظاہر مکہ، مدینہ، طائف وغیرہ چند بستیاں تھیں جو شہر سمجھی جاتی تھیں۔ ان پر بھی بدویت غالب تھی۔ کھانا پینا، رہنا سہنا سب دیہاتی انداز سے تھا قبائلی سی زندگی تھی، علامہ ابن حزم نے محلّٰی (ج:۵) پر ذکر کیا ہے کہ مدینہ منورہ میں چند قبائل آباد تھے، جنہوں نے اپنی اپنی زمینوں پر ڈیرے ڈال رکھے تھے، پڑھے لکھے آدمی بہت ہی کم تھے،

Scanned with CamScanner

یہود اور عیسائیوں میں تعلیم کا رواج تھا۔ اور وہ بھی معمولی اس لئے قرآن عزیز کی حفاظت کا دارومدار حفظ پر تھا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تو حفظ فرماتے ہی تھے، صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے بھی اکثر اہل علم جس قدر قرآن مجید نازل ہوتا اسے حفظ کر لیتے۔ احتیاط کے طور پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اپنی نگرانی میں قرآن مجید کو ترتیب سے لکھواتے جاتے تھے تاکہ حفظ میں اس سے مدد لی جائے اور حفاظت بھی رہے۔ پرانے کتبات سے جس طرح معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت خط نے ترقی نہیں کی تھی، حروف پر نقطے اور اعراب لگانے کا رواج نہیں تھا۔ آنحضرت ﷺ کا خط مقوقس عظیم قبط کے نام سے اس کا عکس شائع ہو چکا ہے اس سے عرب رسم الخط کا پتہ چل سکتا ہے، نزول قرآن کے وقت حقیقت یہ تھی کہ لوگ لکھنے کے بجائے حافظہ پر زیادہ اعتماد کرتے تھے۔ عرب میں علم النساب کا سارا اعتماد حافظہ پر تھا۔ قبائل کی تاریخ اور صلح و جنگ کے سارے واقعات حافظہ پر مبنی تھے اس لئے قرآن مجید کی حفاظت کا اہم ذریعہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی قوت حافظہ تھی جو لوگ لکھتے تھے ان کا مطلب بھی یہی تھا کہ حفظ کرتے وقت اس نوشتہ کی طرف مراجعت کر سکیں ورنہ وہ رسم الخط آج کل کے ترقی یافتہ خط سے بہت مختلف تھا اس سے کسی تحریر کا پورا تحفظ سخت مشکل تھا۔

قرآن عزیز کا سرکاری نسخہ:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قرآن مقدس کی جو تحریری صورت صحف و اجزا موجود تھی اسے سرکاری تحریر کہنا چاہیے۔ اس تحریر کی روشنی میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے واقعہ حرہ کے بعد سرکاری نسخہ مرتب فرمایا، اسی نسخہ کی بنیاد پر وہ سرکاری نسخے لکھے گئے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مختلف گورنروں کو ارسال فرمائے۔ ہجوں کے اختلاف اور خط کے نامکمل ہونے کی وجہ سے جب شبہ پیدا ہوا تو حفظ کے ساتھ جزوی نوشتوں سے اس کا مقابلہ کرنے کے لئے تصحیح کی خاطر قریش کی لغت و لہجہ کو اساس قرار دیا گیا۔ حضرت ابوبکر

Scanned with CamScanner

صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت راشدہ میں حفاظ اور قراء کی موت سے قرآن عزیز کے ضائع ہونے کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت راشدہ میں عجمی عنصر کی کثرت اور عجمی لہجوں کی یورش کی وجہ سے سرکاری نسخے پر نظر ثانی کی گئی اور سب سے بڑی خوبی یہ ہوئی کہ تمام مشکوک دستاویز کو ضائع کر دیا گیا تا کہ بحث اور تشکیک کے لئے کوئی مواد باقی نہ رہ جائے۔ اب وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس بعینہ وہی قرآن مقدس تھا جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی زندگیوں میں اسے بار بار پڑھا اور اسے سرکاری دستاویز کے طور پر لکھوایا اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی بروقت کوشش اس قدر کارگر ہوئی کہ آج تک اس میں ایک حرف بھی کم و بیش نہیں ہو سکا اور اسی میں متواتر قرآت صحیح طور پر آ گئیں اور تمام شذوذ کو ایک طرف کر دیا گیا۔ اتقان میں حافظ سیوطی نے اور زرکشی نے (برہان فی علوم القرآن) میں بعض ایسے ذکر آثار فرمائے ہیں جن سے قرآن عزیز کی جمع و ترتیب کے متعلق بعض شبہات پیدا ہو سکتے ہیں۔ بعض دوسری روایات سے بھی ان شبہات کی تائید ہوتی ہے، لیکن قرآن عزیز حفظ کے بعد جس عظیم الشان تواتر سے منقول ہوا ہے، اس کے سامنے ان آحاد اور آثار کی کوئی اصلیت نہیں رہ جاتی۔

علامہ ابن حزم ملل والنحل میں فرماتے ہیں۔

جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا اس وقت اسلام تمام جزیرہ نما عرب میں پھیل چکا تھا۔ بحیرہ قلزم اور سواحل یمن سے گزر کر خلیج فارس اور فرات کے کناروں تک اسلام کی روشنی پہنچ چکی تھی۔ پھر اسلام شام کی آخری سرحدوں سے ہوتا ہوا بحیرہ قلزم کے کناروں تک شائع ہو چکا تھا۔ اس وقت جزیرہ نمائے عرب میں اس قدر شہر اور بستیاں وجود میں آ گئی تھیں کہ جن کی تعداد اللہ کے سوا کوئی نہیں جان سکتا، یمن، بحرین، عمان، نجد بنو طے

کے پہاڑ، مضر اور ربیعہ وقضاعہ کی آبادیاں، طائف، مکہ، مدینہ یہ سب لوگ مسلمان ہو چکے تھے، ان میں مسجدیں بھرپور تھیں، ہر شہر، ہر گاؤں، ہر محلّہ، ہر بستی کی مساجد میں قرآن مجید پڑھا جاتا تھا بچے اور عورتیں قرآن جانتے تھے اور اس کے لکھے ہوئے نسخے ان کے پاس موجود تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عالم بالا کو تشریف لے گئے، مسلمانوں میں کوئی اختلاف نہ تھا۔ وہ صرف ایک جماعت تھے، اور ایک ہی دین سے وابستہ تھے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت راشدہ اڑھائی سال رہی ان کی خلافت میں فارس وروم کے بعض حصص اور یمامہ کا علاقہ بھی اسلامی قلم رو میں شامل ہوا، قرآن عزیز کی قرأت میں مزید اضافہ ہوا لوگوں نے قرآن مقدس کو لکھا۔ حضرت ابی بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت زید، حضرت ابوزید، حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین وغیرہم نے قرآن عزیز کے نسخے لکھے اور جمع کئے، ہر شہر میں قرآن مجید کے نسخے موجود تھے، وہ ان ہی میں پڑھا جا رہا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا۔ صورت حال بدستور ویسی تھی، ان کی خلافت میں مسیلمہ اور اسود عنسی کا فتنہ کھڑا ہوا، یہ دونوں نبوت کے مدعی تھے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا کھلے طور پر اعلان کرتے۔ بعض لوگوں نے زکوۃ کا انکار کیا۔ بعض قبائل نے کچھ دن ارتداد اختیار کیا۔ لیکن ان ہی قبائل کے مسلمانوں نے ان کا مقابلہ کیا اور ایک سال نہیں گزرنے پایا تھا کہ فتنہ فرو ہو گیا، اور حالات بدستور اعتدال پر آ گئے۔

حضرت ابوبکر کے بعد مسند خلافت کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زینت بخشی۔ فارس پورا فتح ہو گیا، شام، الجزائر، مصر اور افریقہ کے بعض علاقے اسلامی قلم رو میں شامل ہوئے، مسجدیں تعمیر ہوئیں، قرآن عزیز پڑھا جانے لگا، تمام ممالک میں قرآن عزیز کے مخطوطے شائع ہوئے، مشرق ومغرب تک بمکاتب میں علماء سے لے کر بچوں تک قرآن مجید کی تلاوت ہونے لگی، پورے دس سال یہ سلسلہ جاری رہا اسلام میں کبھی اختلاف نہ تھا۔ وہ

Scanned with CamScanner

ایک ہی ملت کے پابند تھے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے انتقال کے وقت مصر، عراق، شام اور یمن کے علاقوں میں کم از کم قرآن عزیز کے ایک لاکھ نسخے شائع ہو چکے ہوں گے۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں اسلامی فتوحات اور بھی وسیع ہوئیں۔ اور قرآن عزیز کی اشاعت مفتوحہ ممالک میں وسیع پیمانہ پر ہوئی قرآن مجید کے شائع شدہ نسخوں کا اس وقت شمار ناممکن ہوگا۔ حضرت عثمان کی شہادت سے اختلافات کا دور شروع ہوا اور روافض کی تحریک نے زور پکڑا (روافض ہی کی وجہ سے قرآن مجید کی حفاظت کے متعلق اعتراضات اور شبہات شروع ہوئے) صورت یہ تھی کہ نابغہ اور زہیر کے اشعار میں کوئی کمی بیشی کر دے، تو یہ ممکن نہیں دنیا میں اسے ذلیل اور خوار ہونا پڑے گا۔ قرآن مجید کا معاملہ تو اور بھی مختلف ہے اس وقت قرآن عزیز اندلس، بربر، سوڈان، کابل، خراسان، ترک اور صقلیہ اور ہندوستان تک پھیل چکا تھا۔ اس سے روافض کی حماقت ظاہر ہوئی (وہ قرآن کی جمع وتالیف میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو متہم کہتے ہیں)۔ یہی حال مسیح اور سماجی مشن یوں کا ہے، یہ لوگ روافض سے سیکھ کر قرآن مجید کو اپنے نوشتوں کی طرح محرف ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، حالانکہ ان حالات میں ایک حرف کی کمی بیشی بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ یا کسی دوسرے شخص کے لئے ناممکن تھی۔ روافض اور ان کے تلامذہ کی یہ غلط بیانی یوں بھی واضح ہوتی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پانچ سال نو ماہ تک بااختیار خلیفہ رہے اور ان کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ ہوئے انہوں نے قرآن کو بدلنے کا کوئی حکم نہیں دیا۔ نہ ہی اپنی حکومت میں قرآن عزیز کا کوئی دوسرا صحیح نسخہ شائع فرمایا یہ کیسے باور کر لیا جائے کہ پوری اسلامی قلم رو میں غلط اور محرف قرآن پڑھا جائے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ خاموشی سے اسے گوارا کریں۔ (مختصر الفصل فی الملل والنحل ابن حزم، ج:۶۔ ص ۷۶۔۸۰)

حافظ ابن حزم نے قرآن عزیز کی حفاظت کے متعلق یہ بیان مسیحی اور روافض کی غلط

Scanned with CamScanner

بیانیوں کے متعلق لکھا ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد عرصہ تک شائع ہوتی رہیں، شیعہ چوں کہ مسلمان کہلاتے تھے، اور تقیہ کا رواج ان کے ہاں عام تھا اس لیے اس قسم کا مسموم لٹریچر رواۃ کی غلطی سے اہل سنت کی روایات میں بھی آ گیا گو محدثین نے ایسی روایات کی حقیقت کو واضح کر دیا ہے، اور ان کے کذب اور وضع کی حقیقت کو واضح کر دیا ہے۔ فن حدیث کے ماہران روایات اور آثار کی حقیقت کو سمجھتے ہیں لیکن علامہ ابن حزم نے اصولی اور واقعاتی جواب دیا ہے کہ اس عظیم الشان تواتر کے سامنے اس مشکوک ذخیرہ روایات کی کوئی اہمیت نہیں اس لئے جب تعارض ہی نہیں تو تطبیق اور ترجیح کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

سابقہ آسمانی کتابوں کی کیفیت:

قرآن عزیز حفظ اور تدوین کے بعد جس طرح تواتر سے منقول ہوا ہے اور جس طرح مسلمانوں نے اسے ہر دور میں حفظ کیا' لکھا، اور مشرق سے مغرب تک اس کی اشاعت کی' تمام دنیا مخالفت کے باوجود اس میں کوئی شبہ نہ پیدا کر سکی۔ قرآن مجید کے تحفظ کی یہ بین دلیل ہے، تورات اور انجیل واقعی آسمانی کتابیں ہیں۔ لیکن یہودی اور مسیح علماء ان کو صحیح طور پر محفوظ نہ رکھ سکے۔ تراجم کی کثرت اور مترجمین کی بے اعتدالیوں کی وجہ سے ان کے پاس کوئی مستند نسخہ نہ رہ سکا' موجودہ عہد جدید اور عہد عتیق پادری حضرات کی تبلیغی کوششوں میں ہی یکسر کھو گیا۔ پھر مسیحی فرقوں کے اختلافات نے اسے اور بھی نقصان پہنچایا۔ بائبل کی اصلاح اور حفاظت کے لئے جو کوشش کی گئی وہ بالاخر بائبل کی ترمیم اور تنسیخ پر منتج ہوئی۔ کبھی حواشی آیات بن گئے اور کبھی آیات کو حواشی قرار دے دیا گیا۔ بائبل کا ایک طالب علم جب بائبل کی اس حیثیت پر غور کرتا ہے تو اسے حیرت ہوتی ہے، بائیل کی تاریخ پادریوں کی مساعی، مسیحی حکومتوں کے دینی رجحان، مشنریوں کی صدیوں کی دوڑ دھوپ کے

Scanned with CamScanner

باوجود بائبل محفوظ نہ رہ سکی۔ کروڑوں روپے اس کی خدمت کے لئے صرف کئے گئے، بڑی بڑی بادشاہتیں صف بصف اپنے مادی وسائل کے ساتھ اس کی خدمت کے لئے میدان میں اتریں لیکن کوئی مفید نتیجہ برآمد نہ ہوسکا، بلکہ شبہات اور زیادہ ہوگئے اور بائبل کی حیثیت آثار قدیمہ سے زیادہ نہ ہوسکی۔

مسیحی حضرات نے اس ناکامی کے بعد انتقامی انداز اختیار کیا۔ اور صدیوں کی مادی اور نظریاتی جنگ نے عصبیت کی صورت پیدا کردی۔ مسیحی مشنوں نے منادی کرنی شروع کر دی کہ قرآن بھی غیر محفوظ ہے۔ اسی جنگ میں شیعہ حضرات سے ان کو مدد ملی، شیعی لٹریچر میں اس قسم کا مواد واقعی موجود بھی تھا، روافض کا سنجیدہ طبقہ گو اسے ناپسند کرتا ہے، لیکن ان کے ہاں جو مواد موجود ہے اس کی وجہ سے وہ مجبور ہو جاتے ہیں اس لئے مسیحی اور شیعہ اہل قلم قرآن کے خلاف اس جنگ میں ہم دوش کھڑے رہے۔ آئمہ حدیث کی دور اندیشی اور علم الرجال کی حقیقت پسندی نے ان تمام مساعی کو ناکام بنادیا جو شیعہ حضرات اور مسیحی علماء نے آج تک کیں کیوں کہ جن آثار اور روایات پر ان حضرات کو اعتماد تھا وہ محدثانہ تنقید کے سامنے کوئی حقیقت نہیں رکھتے اور نہ ہی اس تواتر کا مقابلہ کر سکتے ہیں جو قرآن عزیز کو ہر دور میں حاصل رہا۔ علامہ ابن حزم ایسے ظاہریت پسند نے پوری جرأت سے اس کا اعتراف فرمایا ہے۔

محدثین میں دو ذہن:

قرآن عزیز کی حفاظت کے تذکرہ میں فن حدیث اور آئمہ حدیث کی مفید اور مضر مساعی کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ مسیحی اور شیعی مواد کو جب تک اس کی اصلی صورت میں نہ دیکھا جائے، قدیم و جدید معترضین کے پیدا کردہ شبہات کا صحیح علاج نہیں ہوسکتا۔ آئمہ حدیث میں قدیم سے دو ذہن آ رہے ہیں کچھ وہ لوگ ہیں جن کی یہ خواہش ہے کہ ہر قسم کا

مواد جمع کر دیا جائے حدیث کے مجموعے اس طرح مرتب ہوں کہ ان میں ضعاف، مقطوعات، مراسیل، سب روایات آ جائیں۔ محققین کی تحقیق (ریسرچ) کے بعد غلط اور صحیح، مستند اور غیر مستند میں خود فرق کرلیں گے۔ متاخرین میں سیوطی، عبدالحق دہلوی، صنعانی، سخاوی خاصے مشہور ہیں۔ قدماء میں بیہقی، خطیب، طحادی، طبری، طبرانی کا نام لیا جا سکتا ہے۔ یہ حضرات فن میں امامت کا درجہ رکھتے ہیں، رجال اور اس کے مراتب کو سمجھتے ہیں لیکن اپنی تصانیف میں جو مواد ان حضرات نے جمع فرمایا ہے اس کی اسنادی اقدار کو وہ خوب سمجھتے ہیں کہ انہوں نے وضع وتخلیق کے ذخائر من وعن جمع کر دیے ہیں تا کہ اگر نقاد کسی چور یعنی وضاع پر تنقید کریں تو اس کے ساتھ ہی چوری کا مال بھی برآمد ہو جائے، وضع تخلیق کا ذخیرہ بطور شہادت پیش ہو سکے۔

اس سے عوام کو تکلیف یقیناً ہوتی ہے ناواقف پورے ذخیرے کو حدیث نبوی سمجھتے ہیں اس سے استدلال کرتے ہیں نزاع بڑھتا ہے، ناواقف آدمی لاعلمی کی وجہ سے اڑ جاتا ہے یہ دقت واقعی ہے لیکن لاعلمی لاقانونی کے لئے عذر نہیں بن سکتی۔ جھوٹ بہرحال جھوٹ ہے کوئی سمجھے یا نہ سمجھے۔ مصنفین کو اپنی نیت کا اجر ملے گا، اور استدلال کرنے والے اپنے کئے کا پھل کھائیں گے۔

آئمہ حدیث کا دوسرا ذہن:

یہ (آئمہ کرام) احادیث کے قبول میں پوری چھان پھٹک سے کام لیتے تھے، محض نسبت نبوی اور ناقل کے نام سے مرعوب نہیں ہوتے تھے، اس ذہن کے ترجمان متاخرین میں ابن جوزی، ابن تیمیہ، ذہبی، ابن کثیر وغیرہ ہیں، یہ حضرات آئمہ اسلام، فن حدیث کے ماہر، رجال کی گہرائیوں کے شناور ہیں، حدیث کے ظاہر اور خفی علل کو سمجھتے ہیں نڈر تنقید کرتے ہیں۔ متقدمین میں امام محمد بن اسمعیل بخاری، مسلم بن حجاج قشیری، امام عیسیٰ ترمذی، ابو

Scanned with CamScanner

عبدالرحمان نسائی، امام ابوداؤد سجستانی، یحیٰ بن سعید قطان، دارقطنی، یحیٰ بن معین وغیرہم رحمہم اللہ دراصل فن حدیث کی آبرو یہی لوگ ہیں۔ سیوطی کی اتقان، درمنثور، خصائص کبریٰ، شرح الصدور وغیرہ میں ضعاف اور موضوعات کی بڑی تعداد موجود ہے ان سے بلاتنقید استدلال کرنا اعتقادی اور عملی بدعات میں مبتلا کر دیتا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ نے حدیث کی کتابوں کے طبقات کا ذکر فرماتے ہوئے طبقہ ثالثہ میں بیہقی، طبرانی، طحاوی، طیالسی وغیرہ کا ذکر فرما کر اشارفرمایا۔

وکان قصدھم جمع ما وجدوہ لا تلخیصہ و تھذیبہ و تقریبہ من العمل (حجۃ اللہ البالغہ ص:۱۰۷، ج:۱)

ان بزرگوں کا مقصد ذخیرہ کرنا تھا، یہ مطلب نہ تھا کہ انہیں عمل کے قابل سمجھا جائے۔

چوتھے طبقہ میں ابن عدی، خطیب، ابونعیم، زرقانی، ابن عساکر، ابن نجار، دیلمی خوارزمی کا ذکر فرما کر لکھا ہے۔

واصلح ھذہ الطبقۃ ما کان ضعیفا محتلا واسوھا ما کان موضوعا مقلوبا شدید النکارۃ۔ (حوالہ مذکور)

اس طبقہ کی بہترین روایات ضعیف ہیں، اور جو ان میں خراب ہیں، وہ موضوع اور مقلوب ہیں اور بہت ہی منکر۔

پانچواں طبقہ اس سے بھی فروتر ہے، سیوطی، سخاوی وغیرہ کی کتابوں کا ان طبقات میں ذکر ہی نہیں، ان کا مقام تو اور بھی نیچے ہے، قرآن کی حفاظت کے خلاف علی العموم جو مواد ملتا ہے، اس کے لئے یہ وثوق سے سمجھ لینا چاہیے کہ ان کتابوں کی روایات محدثانہ تنقید کے بغیر قابل قبول نہیں۔ خصوصاً جب صحیح احادیث یا اخبار متواترہ کے خلاف ہو، احادیث کا انکار حقائق سے چشم پوشی کے مترادف ہے آج کے انکار سے گزشتہ واقعات نہیں بدل سکتے۔

Scanned with CamScanner

اللہ تعالیٰ کی حفاظت:

ان گذارشات سے ظاہر ہے کہ قرآن عزیز پر مدت سے اندرونی حملے ہوتے رہے ہیں۔ اپنے اور بیگانے اکثر نے اس کی حفاظت مشکوک کرنے کی کوشش کی ہے۔ سادہ دل دوستوں نے سادگی سے وہی کچھ کہا جو عیار دشمن کہہ رہے تھے، اس کے باوجود قرآن عزیز کی حفاظت محض اللہ تعالیٰ کی تائید سے ہوئی۔

انانحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون

یعنی یہ ذکر ہم نے ہی اتارا اور یقیناً ہم ہی اس کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں۔

اس حفاظت میں سب سے زیادہ کام قدرت نے قوت حفظ سے لیا پھر بوقت ضرورت اس کی تائید قلم سے ہوئی۔ پھر امت کی توجہ اس طرف پھیر دی گئی' آج کے لادینی دور میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ ہزاروں کی تعداد میں بچے حفظ کر رہے ہیں۔ مکاتب میں کافی رونق ہے، حفاظ پوری تندہی سے یہ خدمت انجام دے رہے ہیں، مطبوعہ قرآن کے نسخوں میں جو تحریر و طباعت کی غلطیاں رہ جاتی ہیں ان کی درستگی کے لئے بھی حفاظ کی خدمات حاصل کی جاتی ہیں۔

قرآن عزیز کے مفہوم کی حفاظت:

امت نے کوشش کی کہ قرآن عزیز کے مطالب کی بھی حفاظت اسی طرح کرے جس طرح اس نے الفاظ وحی کی حفاظت کی' اس کے لئے علماء نے مندرجہ ذیل وسائل اختیار کئے:

۱: لوگ قرآن کو اصل عربی زبان میں سمجھیں' تراجم کی حسب امکان ضرورت ہی نہ رہے۔ عربی زبان کی گرائمر کو باقاعدہ مرتب کیا۔

۲: اگر تراجم کی ضرورت ہوئی تو اسے الفاظ وحی سے علیحدہ کرنے کی اجازت نہیں دی۔

Scanned with CamScanner

سابقہ کتابوں میں اسی وجہ سے تحریف عام ہوگئی۔

۳: زبان کی بدلتی ہوئی نفسیات کے پیش نظر عرب اول کی زبان اور اس کے محاورات کو ضبط کیا۔ جہلی عربوں کے ہزاروں اشعار صحابہ، تابعین، آئمہ اسلام رضی اللہ عنہم اجمعین نے ضبط اور محفوظ کئے تا کہ زبان کی وقتی تبدیلیاں قرآن عزیز کے مفہوم پر اثر انداز نہ ہوں حالانکہ ان کی روح اسلامی تعلیمات کے منافی تھی۔

۴: آنحضرت ﷺ کی عملی زندگی کے لئے لاکھوں ابواب اور ہزاروں اوراق کو محفوظ کیا کیوں کہ قرآن کی اصل تفسیر آنحضرت ﷺ کی زندگی ہے قرآن کا صحیح اور مستند مفسر وہی ہوسکتا ہے جس پر قرآن عزیز نازل ہوا۔

۵: آنحضرت ﷺ کی عملی زندگی اور آپ کے مختلف ارشادات کی حفاظت کے لئے بیسوں نئے علوم ایجاد فرمائے تا کہ سنت کے ذخیرے امت کے پاس صحیح طور پر پہنچ جائیں۔

۶: عربی زبان کے لئے ضخیم لغت لکھے واقع اور موقع کی تبدیلیوں کا پتہ دیا تا کہ زبان کی تبدیلیاں مفہوم پر اثر انداز نہ ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس میں بھی کافی کامیابی ہوئی، لیکن اعتراف کرنا چاہیے کہ ملحدین نے بھی قرآن کے مفہوم کی تخریب میں پورا زور صرف کیا، اور تاویل کے وہ کرشمے ظاہر کئے کہ شیطان بھی حیران ہوگیا(۱)۔ مؤلفین نے حقائق کو بدلنے میں انتہا کر دی۔ کبھی لغت کا سہارا لیا کبھی حدیث کو تاریخ کہہ کر ٹالنے کی کوشش کی، کبھی سنت نبوی کو خرافات سے تعبیر کیا، کبھی حدیث کے شرعی حجت (۲) ہونے سے انکار کیا یہ سب اس لئے تھا کہ سنت راہ سے ہٹ

---

(۱) زمن با صوفی و ملا ہلاے — کہ او پیغام حق داد ند مارا
دلے تاویل او حیران ہم ساخت — خدا و جبرئیل و مصطفیٰ ﷺ را

(۲) ملحدین کی دو راہیں:۔ پرانے اور نئے ملاحدین نے قرآن عزیز کے الفاظ اور معانی کی حفاظت اور اس کے خلاف جو

(بقیہ پچھلے صفحے کا حاشیہ) شبہات وارد ہو سکتے تھے، اس کے متعلق دو راہیں اختیار کیں روافض اور ان کے شاگردوں نے ان احاد، ضعاف اور وضعی روایات کی بناء پر قرآن عزیز کو مشکوک و مشتبہ قرار دیا، اور بزعم خود اپنی غلط کاریوں اور اسلام دشمنی کے لئے راستہ ہموار کیا۔

دوسرے گروہ نے قرآن کے احترام اور حفاظت کی آڑ لے کر سنت کے پورے ذخیرے کو مشکوک اور غیر مستند قرار دینے کی کوشش کی۔ کبھی کتب حدیث کو لہو الحدیث اور مزخرف (ملمع سازی) کہہ کر دل کی گرمی کو تسکین دی۔ کسی نے منافقانہ طور پر احایث نبوی اور سنت کو تاریخ کہہ کر پہلے اس کے مقام کو ہلکا کیا۔ پھر اس پر مختلف طریقوں سے حملہ آور ہوئے۔ آئمہ حدیث اور فقہاء سنت کی تضحیک کی' ولله العزة ولرسوله و للمؤمنين ولكن المنافقين لايعلمون. یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ احادیث اور قرن اول کی زندہ جاوید روایات اگر ان کی راہ سے ہٹ جائیں تو ان کی جہالت آمیز روایات کے لیے میدان صاف ہو جاتا ہے۔ قرآن میں من مانی تاویلات کے لئے راہ کھل جاتی ہے حرام کو حلال اور حلال کو حرام بنانا آسان ہو جاتا ہے، ہمارے زمانہ کے منکرین حدیث کی تحریک نے قریباً نصف صدی میں اسی نفاق آمیز پالیسی کے لئے مختلف روپ بدلے ہیں۔ آج کل ان ملحدانہ تصوارت کی اشاعت کے لئے دو عنوان قائم کئے گئے ہیں ''قرآنی معاشرہ'' اور ''قرآنی نظام ربوبیت'' اس طرح سے پورے قرآن اور اسلام کی مرمت کا پروگرام مرتب کرنے کی کوشش کی جارہی ہے ہمیں یقین ہے کہ فحش اور عیاشی کے داعی واہل مسیحیوں کی مساعی ناکام ہوں گی، اور اہل سنت اور فقہاء محدثین کا مسلک غالب ہوگا۔ فاما الذبد فيذهب جفاء واما ما ينفع الناس فيمكث فى الارض، یہ درست ہے کہ اس میدان میں منافقین کو اس طرح شکست اور ناکامی نہیں ہوئی جس طرح حفظ قرآن نے انہیں الفاظ قرآن کی حفاظت کے متعلق ناکام کیا۔ تاہم آئمہ سنت نے اصول تفسیر میں انہی تحفظات کی کوشش کی جس سے قرآن عزیز کے مطالب کی حفاظت ہو سکے۔ تفاسیر کے ذخیرے پر غور کیا جائے تو ظاہر ہوتا ہے کہ اہل علم کے ہر طبقہ نے اپنے نقطہ نظر سے اس خدمت کو بجالانے کی کوشش کی ہے۔ اہل سنت کے مختلف مکاتب فکر نے قرآن عزیز کی خدمت کی ہے۔ فقہی مسائل میں اپنے مسلک کے مطابق قرآن عزیز سے استدلال کیا ہے، جس جس فن سے کسی کا طبعی تعلق تھا اس فن کے لحاظ سے انہوں نے قرآن کی خدمت کی۔ زمخشری نے ادب اور زبان کے مسائل کو زیادہ اہمیت دی ہے، ابوحیان نحوی ہیں انہوں نے قرآن عزیز کو تحلیل نحوی کے لحاظ سے حل کیا ہے، اور اسی نہج سے مسائل کا استخراج فرمایا ہے۔ زمخشری کا رجحان اعتزال کی طرف ہے اس لئے انہیں نے بقدر ضرورت اعتزال کی خدمت بھی کی ہے۔ رازی پر فلسفہ اور کلام غالب ہے، ان کی تفسیر میں یہ رجحانات پائے جاتے ہیں۔ قرطبی حنبلی ہیں انہوں نے فقہ حنبلی کے مسائل سے تفسیر کو بھر دیا۔ آئمہ حدیث میں سے حافظ ابن جریرؒ اور حافظ ابوالفداء (ابن کثیر) نے تفسیریں لکھیں' اسی طرح بغوی نے معالم التنزیل تصنیف فرمائی۔ وغیرہم نے احادیث اور آثار سے تفسیر کی۔ فنی خدمت میں کوئی حرج نہ تھا۔ لیکن اعتزال وغیرہ بدعی عقائد کی حمایت مناسب نہ تھی اسی طرح شیعہ اور خوارج نے قرآن مجید کو اپنے خیالات کا ترجمان بنانے کی کوشش کی۔ بعض بدعتی صوفیوں نے قرآن عزیز سے اپنی بدعات کا استخراج کیا۔ وللناس فيما يعشقون مذاهب (مختصر اصول تفسیر)

Scanned with CamScanner

جائے۔ زمانہ نبوت کی تشریحات پر اعتماد نہ رہے، اور قرآن عزیز کو تاویلات کی سان پر چڑھا کر حسب منشاء خرافات کے لئے راستہ صاف ہو جائے، اس آویزش میں فریقین کہاں تک کامیاب ہوئے۔ ہر فریق کو اپنے دل سے دریافت کرنا چاہیے۔ اہل حق کی کوششوں کا اندازہ ان اصول تفسیر سے ہوگا۔ جو قرآن فہمی کے لئے ہمیشہ ان کے پیش نظر رہے۔

محدثانہ تفاسیر میں بدعات اور غلو تو نہیں تھا۔ لیکن قصص کے بیان میں صحت اسانید کا خیال نہ رکھا گیا، اور آثار میں اسرائیلیات کا کافی ذخیرہ تفاسیر میں آ گیا حافظ ابن کثیر نسبتاً محتاط ہیں کافی چھان پھٹک کے باوجود وہاں بھی ایسے آثار آ گئے جو مناسب تھا کہ نہ آتے۔

اہل بدعت کی ان تخریبی کوششوں سے بچنے کے لئے آئمہ سنت نے ذیل کے اصول اختیار فرمائے۔

اول: قرآن عزیز کی تفسیر قرآن سے: حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں اکثر مقامات پر التزام فرمایا ہے کہ قرآن کے ایک مقام کو دوسرے مقام سے حل فرماتے ہیں۔ قرآن عزیز کے نظم میں کسی واقعہ میں ایک مقام پر اختصار فرمایا گیا تو دوسرے مقام پر اسے تفصیل سے بیان فرما دیا گیا ہے، اگر ایک مقام پر اغلاق ہو تو دوسرے مقام سے واضح ہو سکتا ہے' اس طریق سے اگر قرآن حکیم میں غور فرمایا جائے تو بسا اوقات بعض مشکلات کا حل سیاق وسباق سے اس طرح ہوتا کہ صریح لغت سے وہ مقام صاف نہیں ہوتا۔ اسی سے بعض اہل علم نے قرآن کی لغت بھی الگ لکھی ہے جیسے کہ راغب کی مفردات اور ابن قتیبہ دینوری کی مشکل القرآن اور غریب القرآن۔ ان دونوں کتابوں کو ابن مطرف نے فرطین نام سے جمع کیا ہے، یہ کتاب مصر سے شائع ہو چکی ہے، بعض مفرد الفاظ کا مفہوم قرآن کے سیاق وسباق سے زیادہ واضح ہوتا ہے لغت میں وہ وضاحت نہیں ملتی، مثلاً۔

نور: عربی زبان میں یہ لفظ الضیاء المنتشر (پھیلی ہوئی روشنی) کے مفہوم میں

استعمال ہوا ہے، قرآن عزیز نے اسے مختلف مقاصد کے لئے استعمال فرمایا ہے۔

(۱) اللہ نور السموات والارض مثل نورہ کمشکوۃ فیھا مصباح المصباح فی زجاجۃ الخ۔ (سورۂ نور)

قرآن نے اس سے نور ہدایت مراد لیا ہے، یعنی آسمان اور زمین میں ہدایت کی روشنی اللہ کی ذات سے ہے۔ اس ہدایت کی مثال ایسے چراغ کی ہے جس کی روشنی کو شفاف شیشے نے دوبالا کیا ہو اور ایسا ستھرا اور صاف تیل جلایا گیا ہو، اور یہ چراغ ستاروں کی طرح آسمان کے مختلف کناروں میں چمک رہا ہو۔

(۲) لقد جاء کم من اللہ نورو کتاب مبین۔ (المائدہ۔۵/۱۵)

یہاں نور سے مراد کتاب ہے کیوں کہ اس کے آگے یھدی بہ اللہ میں ضمیر مجرور مفرد کا مرجع یا نور ہوگا یا کتاب، دو تو ہو نہیں سکتے کیوں کہ ضمیر تثنیہ نہیں۔ اگر نور سے مراد آنحضرت ﷺ ہوں تو آنحضرت ﷺ کو کتاب سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔ کتاب کو نور اور نور کو کتاب سے تعبیر کیا جا سکتا ہے، اس لئے ضمیر مجرور مفرد کا مطلب اسی صورت میں درست ہو سکتا ہے کہ نور سے مراد کتاب لی جائے، آنحضرت ﷺ کا ذکر مبارک شروع میں بھی آ گیا ہے۔

یا اھل الکتاب قد جاء کم رسولنا یبین لکم کثیرا مما کنتم تخفون من الکتاب۔ (المائدۃ۔۵/۱۵)

اے اہل کتاب تمہارے پاس ہمارا رسول آیا جو ایسی چیزیں ظاہر کرتا ہے جو تم نے کتاب سے چھپا رکھی ہیں۔ یہاں کتاب مراد لینے میں ایک گونہ تخصیص ہو گئی۔

(۳) اللہ ولی الذین امنوا یخرجھم من الظلمٰت الی النور۔

اللہ اہل ایمان کا دوست ہے وہ انہیں اندھیرے سے روشنی میں لے آتا ہے۔

Scanned with CamScanner

یہاں نور سے ایمان مراد ہے ظلمات سے کفر و نفاق کی ظلمت ہے۔

(۴) فالذین امنوا به و عزروه و نصروه واتبعوا النور الذی انزل معه اولئك هم المفلحون۔

جو لوگ آپ پر ایمان لائے آپ کی مدد کی اور اس نور کی پیروی کی جو آپ پر اتارا گیا۔ یہی لوگ کامیاب ہیں۔

اس آیت میں جمیع ما انزل الله کو نور سے تعبیر فرمایا گیا ہے، اس میں قرآن و سنت سب شامل ہیں۔ الہام، غیبی آواز، فرشتوں کی معرفت نزول وحی سب کو نور سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ قرآن عزیز نے وحی کی اقسام ثلثہ کو ذکر فرما کر آخر میں آنحضرت ﷺ کو مخاطب فرما کر واضح فرمایا۔ وکذالک انزلنا الیک روحا من امرنا. ہم نے اسی طرح آپ کی طرف وحی کو نازل فرمایا۔

(۵) افمن کان میتا فاحییناه و جعلنا له نورا یمشی به فی الناس کمن مثله فی الظلمات لیس بخارج منها۔ (الانعام:۶/۱۲۲)

جس شخص کو موت کے بعد ہم نے زندگی دی ہو اور اسے نور بخشا جسے لے کر وہ لوگوں میں پھر رہا ہو۔ وہ اس آدمی کی طرح ہے جسے اندھیروں سے نکلنے کی توفیق ہی نہیں۔

اس آیت میں ایک مسلمان کی تبلیغی مساعی کو نور سے تعبیر کیا گیا ہے۔

(۶) انا انزلنا التوراة فیها هدی و نور (المائدة:۵/۴۴)

ہم نے توراۃ کو اتارا اس میں ہدایت اور نور ہے۔

و اتیناه الانجیل فیها هدی و نور (المائدة:۵/۴۶)

ہم نے مسیح کو انجیل دی اس میں ہدایت اور نور ہے۔

اس آیت میں توراۃ اور انجیل کی روشن تعلیمات کو ہدایت اور نور سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔

Scanned with CamScanner

(۷) یوم تری المؤمنین والمؤمنات نورھم یسعی بین ایدیھم و بأیمانھم (الحدید:۱۲/۵۷)

جب کہ مومن مردوں اور عورتوں کا نور ایمان ان کے سامنے اور ان کی دائیں جانب روشنی کر رہا ہوگا۔

ایمان اور عمل صالح سے اہل ایمان میں جو استعداد پیدا ہوگی، اس کی وجہ سے وہ قیامت کی سختیوں اور ہولناکیوں سے بآسانی عہدہ برآ ہوں گے۔ اس استعداد کو نور سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔

الشھود والشھادۃ:

لغوی معنے الاخبار بما شاھدہ (لسان العرب) الحضور مع المشاھدۃ (مفردات راغب) جو دیکھنا بتانا۔ قرآن عزیز عالم الغیب و الشھادۃ (۱)۔ حاضر اور غائب کا جاننے والا۔

ولیشھد عذابھما طائفۃ من المؤمنین

زانی زانیہ کی سزا کے وقت اہل ایمان کا ایک گروہ موجود رہے۔

اشھدوا خلقھم۔

کیا وہ ان کی پیدائش کے وقت موجود تھے۔

وانتم تشھدون۔

اور تم جانتے ہو۔

ولا یاب الشھداء اذا ما دعوا

---

(۱) ما یغیب عن حواس الناس و بصائرھم و ما سھدولہ بھما۔
جو انسانی حواس سے پوشیدہ ہو یا جو ان کے سامنے نہ ہو۔ (مفردات راغب)

Scanned with CamScanner

گواہوں کو جب بلایا جائے تو انکار نہ کریں۔

شهد شاهد من اهلها (یوسف)

ولم یکن لهم شهداء الا انفسهم فشهادة احدهم اربع شهادات بالله انه لمن الصادقین (۲۴/۶)

اس کے عزیزوں سے (ایک لڑکے) نے فیصلہ کیا۔

(حکم یا قضاء) یہاں متعارف شہادت بن ہی نہیں سکتا۔

ان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فاتوا بسورة من مثله وادعوا شهدآءکم من دون الله ان کنتم صادقین (۲۳/۶)

خاوند کے پاس اپنے ذاتی اقرار کے سوا کوئی ثبوت نہ ہو تو وہ چار قسمیں کھائے، کہ وہ سچا ہے۔ یہاں شہادت اقرار اور قسم کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

فیقسمان بالله لشهادتنا احق من شهادتهما (۱۰۷/۵)

اگر تمہیں شبہ ہے کہ ہم نے جو کچھ اپنے بندے پر اتارا ہے وہ اللہ کا کلام نہیں تو تم ایسی ایک سورت لے آؤ۔ اس آیت میں شہادۃ نصرت اور اعانت کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

کفی بالله شهیدا۔

ہماری قسمیں ان کی قسموں سے زیادہ قابل قبول ہیں، یہاں شہادۃ قسم کے معنی میں ہے۔

نزعنا من کل امت شهیدا۔

اللہ کا علم کافی ہے، یہاں شہید عالم کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

ہر امت سے ہم ایسا آدمی لائیں گے جو ان کے حالات کو جانتا ہوگا۔

دونوں مقام پر شہید علیم کے معنی میں مستعمل ہے علیما یعلم احوالهم مقصود

استیعاب نہیں فقط اس چیز کا اظہار ہے کہ الفاظ کے مفہوم کی تعیین میں لغت سے زیادہ خود قرآن عزیز کا سیاق وسباق مفید اور کارآمد ہے۔ بسا اوقات لغوی معنی مقصد کو بگاڑ کر رکھ دیتا ہے۔

حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب مرحوم ۱۹۴۸ء مولف تفسیر ثنائی نے تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن اسی اسلوب پر لکھی اور آیات کی وضاحت اور تفسیر میں دوسری آیات سے استفادہ فرمایا مرحوم اس طریق میں بہت حد تک کامیاب ہوئے، چند مقامات پر اہل علم نے اپنے مواخذات کئے۔ مؤلف مرحوم نے اہل علم کے متعارف مطلب سے اختلاف فرمایا' بحث جدال کی حد تک پہنچی' علماء آرہ نے فیصلہ دیا کہ بعض مقامات میں واقعی سلف کی راہ سے انحراف ہوا ہے،۔ لیکن مولف اہل حدیث سے خارج نہیں۔ اس فیصلہ کو قبول کر کے معاملہ ختم کر دیا جاتا تو بہتر تھا۔ لیکن فریق مخالف نے احناف کو اپنے ساتھ رکھنے کیلئے۔ ان مواخذات میں مسئلہ صفات اور ان کی تاویل کو اہمیت نہ دی تا کہ ماتریدی حنفی الگ نہ ہو جائیں اور مخالفین کی صفیں عددی لحاظ سے کمزور نظر نہ آئیں۔ لیکن اصول اور مسلک اہل حدیث کے لحاظ سے یہ پہلی کمزوری تھی، جس سے مولانا مرحوم ایسا دور اندیش نکتہ رس مناظر خوب آگاہ تھا، اس لئے ان کا ذہن اس طرف منتقل ہو گیا کہ خلوص کی بجائے مقارنت اور رقابت کو اس نزاع میں زیادہ دخل ہے، بحث ونظر میں تاویل بھی امت میں اہل علم کا ایک مسلک رہا ہے وہ کچھ عرصہ اپنی روش پر مطمئن رہے، لیکن آخر عمر میں ان کا ذہن تاویل پر مطمئن نہیں رہا تھا وہ درس میں اور مجلسی گفتگو میں تفویض ہی کو پسند فرماتے تھے، اگر یہ مناقشہ نہ آجاتا تو تفسیر القرآن فی الجملہ اچھی چیز تھی اہل علم قرآن پر اس انداز سے غور فرماتے تو تفسیر میں یہ ایک نئے باب کا افتتاح ہوتا، اب بھی ضرورت ہے کہ قرآن کے طالب علم قرآن میں اس انداز سے غور کریں، ذوق سلیم اس راہ میں بے حد لطف محسوس کرے گا۔

Scanned with CamScanner

دین، شکر، حمد، اسلام، کلمہ۔ وغیرہ الفاظ کے استعمال کو قرآن عزیز کے مختلف مقامات میں دیکھئے تو تحقیق تفحص کے ذوق کو اسی میں کافی لطف محسوس ہوگا۔

تفسیر کا دوسرا اصل سنت ہے، یہ لفظ عموماً تین معنے میں استعمال ہوا ہے۔ ایسے اعمال جو ابتداء اسلام سے بتواتر مسلمانوں میں رائج ہیں، نماز، اس کے اذکار، رکعات اور اوقات نماز، نفل روزے اور صدقات، اچھے کاموں میں دائیں ہاتھ کا استعمال، گندے کاموں میں بائیں ہاتھ کا استعمال، اہل سنت والجماعت کی لغت میں سنت اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔

1۔ آنحضرت ﷺ کا قول 2۔ فعل 3۔ کسی کام پر آنحضرت ﷺ کی خاموشی

آنحضرت ﷺ کے اجتہادات یہ سب سنت ہیں آئمہ حدیث اسے حدیث سے تعبیر فرماتے ہیں۔ فن حدیث میں سنت نبوی اور حدیث کو اہل علم نے مترادف اور ہم معنی استعمال فرمایا ہے۔

دینی امور جنہیں آنحضرت ﷺ نے ثواب کی نیت سے عموماً کیا ہے یا صحابہ نے اسے دینی معمولات کے طور پر کیا ہو ایسے اعمال اگر احیاناً (کبھی کبھار) ترک ہو جائیں۔ تو اصل سنت میں کوئی شبہ نہیں ہوتا۔ فرض، واجب، مستحب کے ساتھ جب سنت کا ذکر آتا ہے تو اس کا یہی مطلب ہوتا ہے۔

قرآن عزیز کی تفسیر میں سنت سب سے بڑا اصل ہے، آنحضرت کا قول، فعل، تقریر وغیرہ سب قرآن کی تفسیر ہیں۔ آنحضرت ﷺ قرآن حکیم کے پہلے مخاطب تھے، رسول کریم ﷺ ہی کی معرفت قرآن عزیز صحابہ رضی اللہ عنہم تک پہنچا، اور صحابہ نے اس کا متن اور مفہوم ہم تک پہنچایا، آنحضرت ﷺ قرآن نہ سمجھیں یا پیغمبر ہی اللہ تعالیٰ کے ارشادات کی مخالفت کرے تو قرآن عزیز کی تبلیغ واشاعت کے سارے امکانات بھی ختم

Scanned with CamScanner

ہو جائیں۔

صحابہ رضی اللہ عنہم جب دینی مسائل میں گفتگو فرماتے تو بلا تکلف ایک دوسرے سے دلیل دریافت فرماتے تھے۔ قرآن اور سنت کی طرف رجوع فرماتے، لیکن ایسا واقعہ کبھی نہیں ہوا کہ کسی نے آنحضرت ﷺ سے دلیل دریافت کی ہو یا حضرت کے کسی ارشاد پر کسی سائل کو تردد ہوا ہو۔

ما كان لمؤمن ولا مؤمنة اذا قضى الله ورسوله امرا ان يكون لهم الخيرة من امرهم (الاحزاب)

کسی مومن مرد اور عورت کو یہ حق نہیں کہ آنحضرت ﷺ کے فیصلہ یا حکم کے بعد اپنی صوابدید کو ترجیح دے۔

ظاہر ہے یہاں قضاء کا قانونی اور عدالتی مفہوم مراد نہیں بلکہ آنحضرت ﷺ کے رسمی فیصلے ہیں جو آپ نزاعی امور میں فرماتے تھے۔ صحابہ آنحضرت ﷺ کے ارشادات کو قرآن عزیز کی طرح شرعی حجت سمجھتے تھے، اس لئے مزید دلیل یا حوالہ طلب کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتے تھے، قرآن عزیز کی تفسیر میں بھی آنحضرت ﷺ کے ارشادات کا یہی حال ہے اس لئے سنت کے ساتھ تفسیر اسی طرح مستند ہے جس طرح تفسیر القرآن بالقرآن۔

قرآن عزیز میں اس کی صراحت ملتی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو قرآن عزیز کے بیان کا حق حاصل ہے، بلکہ اسی قسم کی وضاحت اور بیان آنحضرت ﷺ کے ذمہ فرض ہے، اور تبلیغ کا ایک اہم جزو:

انا انزلنا اليك الكتاب بالحق لتحكم بين الناس بما اراك الله ولا تكن للخائنين خصيما۔ (۱۰۵/۱۶)

ہم نے آپ کی طرف قرآن اس لئے اتارا کہ آپ اپنی صوابدید کے مطابق لوگوں

Scanned with CamScanner

میں فیصلے فرمادیں۔ اور خیانت پیشہ لوگوں کی طرف سے آپ خصومت (جھگڑے) کے وکیل نہیں۔

اور قرآن حکیم کے آپ پر نزول کی وجہ یہ بتائی ہے کہ آپ کی رائے اور صوابدید قرآن عزیز کی تفسیر میں حکم کی حیثیت رکھتی ہے، اسی مقام رفیع پر فائز ہونے کے بعد اہل خیانت کی طرف سے خصومت اور وکالت کا سوال نہیں پیدا ہونا چاہیے۔

وما ارسلنا من قبلك الا رجالا نو حی الیهم فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون (۴۳/۱۲)

ہم نے تم سے پہلے تمام انبیاء کو مرد پیدا کیا اور ان کی طرف وحی کی، اگر اس کے دلائل معلوم نہ ہوں تو اہل ذکر سے دریافت کرو۔

با لبینٰت والزبر و انزلنا الیك الذکر لتبین للناس ما نزل الیهم و لعلهم یتفکرون۔

اور ذکر تم پر نازل کرنے کا ایک مقصد یہ ہے کہ اس کی تفصیل اور تشریح کرو، دوسرا مقصد یہ ہے کہ یہ لوگ بھی سوچ بچار کی عادت سیکھیں اور فکر و شعور کو اپنا شعار بنائیں۔

وما انزلنا علیك الکتاب الا لتبین لهم الذی اختلفوا فیه و هدی ورحمة لقوم یؤمنون۔

ہم نے کتاب کو تم پر صرف اس لئے اتارا کہ آپ ان کے سامنے اختلافی مسائل کو بیان کریں، اور اہل ایمان کے لئے یہ کتاب ہدایت اور رحمت ہے۔

اس آیت میں حصر کے ساتھ فرمایا ہے کہ رفع اختلاف صرف آنحضرت ﷺ کے بیان سے ہوسکتا ہے، اور اہل ایمان آپ کے ہی بیان سے ہدایت و رحمت کی بارش سے سرشار ہو سکتے ہیں، قرآن عزیز صرف آنحضرت ﷺ کے بیان (حدیث) ہی کو رفع

اختلاف کا موجب فرماتا ہے۔ آج منکرین سنت کا خیال ہے کہ آنحضرت ﷺ کا بیان ہی اختلاف کا موجب ہے، روح قرآن کے ساتھ کتنی کھلی جنگ ہے۔

ان الذین یکفرون باللہ ورسلہ و یریدون ان یفرقوا بین اللہ ورسلہ ویقولون نؤمن ببعض و نکفر ببعض و یریدون ان یتخذوا بین ذالک سبیلا۔ اولئک ھم الکافرون حقا و اعتدنا للکفرین عذابا مھینا۔ (سورۃ النساء۔ ۱۵۰۔۱۵۱)

جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں سے کفر کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسولوں میں تفریق کرنا چاہتے ہیں کہ ہم بعض پر ایمان لاتے ہیں، اور بعض سے کفر کرتے ہیں اور اللہ اور رسولوں کے بین بین کوئی راہ تلاش کرنا چاہتے ہیں (اللہ کی بات کو قبول کرنا اور رسول کی بات کو صحیح نہ سمجھنا) یہ لوگ یقیناً کفر نواز ہیں اور ایسے اہل کفر کے لئے ہم نے ذلت آمیز عذاب تیار کیا ہے۔

سورۃ نساء کی اس آیت میں معاملہ کو بہت ہی نکھار دیا گیا ہے، اللہ اور رسول کی اطاعت کو جدا جدا سمجھنا اسے اللہ اور رسول دونوں سے کفر اور انکار کے مرادف قرار دیا گیا ہے، راہیں صرف دو ہیں یا اللہ اور رسول دونوں کی اطاعت قبول کرو یا دونوں سے انکار کر دو ان دونوں کے بین بین کوئی راستہ نہیں۔ اللہ کی اطاعت کرلے، رسول ﷺ کے ارشادات کی حجیت سے انکار کرے یہ قطعی ایمان کی راہ نہیں بلکہ یہ حتمی کفر ہے، ایسے غلط کار اور کفر پرور لوگ، اللہ کے نزدیک ذلیل کن عذاب کے مستحق ہیں۔

ان آیات سے قرآن کا مقام، آنحضرت ﷺ کا مقام، قرآن اور سنت کا باہمی تعلق، اللہ تعالیٰ اور آنحضرت ﷺ فداہ ابی وامی کے ارشادات کا باہم ارتباط، ان دونوں میں تفریق کا ایمان پر اثر اور اس تفریق کے خطرناک نتائج بالکل واضح ہیں، اور سنت کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے، اور سنت کے متعلق یہ قرآن عزیز کی اپنی شہادت ہے۔

Scanned with CamScanner

سنت محفوظ ہے یا نہیں، سنت کب لکھی گئی، سنت کی کوئی کتاب مشخص ہے یا نہیں۔ مباحث اہم ہیں، اور اپنی جگہ قابل تحقیق ہیں، لیکن ان آیات کا مفاد یہ ہے کہ سنت کو علی التواتر موجود ہونا چاہیے، اگر اسے تسلیم نہ کیا جائے تو قرآن کی تبیین اور تفسیر کا مقصد پورا نہیں ہوتا' ان مشکلات کے باوجود جو انکار حدیث کی محرکات سے سمجھی جاتی ہیں، یہ اقرار ناگزیر ہے کہ سنت موجود ہے اور جب تک قرآن موجود ہے اور جب تک دنیا میں رہے گا سنت کا اقرار بھی ناگزیر ہوگا۔

اس لئے قرآن عزیز کی تفسیر میں قرآن عزیز کے بعد سنت پر اعتماد واجب اور ضروری ہے، اور یہی اہل سنت کا اصول ہے۔

صحیح احادیث:

اہل سنت کی مسلمہ تفاسیر میں صحیح احادیث کا ذخیرہ کچھ زیادہ نہیں اس لئے یہ مشکل ہے کہ ہر آیت کی تفسیر میں مستند صحیح حدیث مل جائے۔ علماء تفسیر نے احادیث کے بعد آثار اور ان میں پھر اسرائیلیات کا بھی مواد جمع کر دیا ہے، اسے اصول ائمہ حدیث کے مطابق تحقیق اور تفتیش کے بعد ہی قبول کیا جا سکتا ہے، علماء متقدمین کا اس معاملہ میں یہی معمول رہا ہے۔ اسرائیلیات کی تائید اگر نصوص سے صحیح ہو جائے تو انہیں نصوص کی تائید سمجھنا چاہیے ورنہ ان سے کوئی چیز ثابت کرنا یا حجت سمجھنا درست نہیں۔

تفسیر صحابہ:

صحابہ کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا اتباع ان لوگوں کا مزاج بن چکا تھا، وہ اکثر معاملات میں نصوص نبویہ کی تلاش کرتے تھے، اور ان پر عمل کی کوشش کرتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نقل روایات میں متشدد تھے روایت پر کڑی تنقید فرماتے،

Scanned with CamScanner

اہل علم سے بوقت ضرورت حلف لیتے کہ آیا واقعی انہوں نے آنحضرت ﷺ سے یہ حدیث سنی ہے۔

جو چیز شرعاً حجت ہو اس کے متعلق یہ تثبت (تحقیق و جستجو) یقیناً ضروری ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کبھی شہادت لیتے کبھی حلف پر اعتماد فرماتے، لیکن جب حوالہ حدیث کی صحت کا یقین ہو جاتا تو اسی طرح واجب الاتباع سمجھتے جس طرح قرآن عزیز پر عمل ضروری سمجھتے۔ بکیر بن اشج فرماتے تھے۔

ان عمر بن الخطاب قال سیاتی القوم یجادلونکم بشبهات القران فخذوهم بالسنن فان اصحاب السنن اعلم بکتاب الله (جامع بیان العلم و وفضله لابن عبدالبر۔ج ۲۔ ص۔۱۶۳)

عنقریب بعض لوگ تم سے قرآن عزیز میں بعض شبہات کے متعلق گفتگو کریں گے ان پر سنت سے گرفت کرو اصحاب سنت (اہلحدیث) قرآن مجید کو بہتر جانتے ہیں۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سنت کے زیادہ پابند تھے، ان کے لڑکے عبید اللہ نے اصرار کیا کہ عورتوں کو نماز کے لئے مسجد میں نہیں جانا چاہیئے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس جسارت کی بناء پر ان سے بولنا ترک کر دیا۔ حضرت عباس، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن مسعود احادیث کے ستون اور سنت میں امام تھے، حضرت ابوبکر، حضرت عثمان، حضرت علی رضی اللہ عنہم اجمعین ان سب کا یہی حال تھا۔ جب حدیث معلوم ہو جاتی تو پھر کسی کی رائے کو ترجیح نہیں دیتے تھے، اس لئے اگر سنن صحیحہ مرفوعہ (نبی اکرم ﷺ کی صحیح سنت) نہ مل سکے تو پھر صحابہ کی تفاسیر پر اعتماد کرنا چاہیے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے تھے:

اولئك اصحاب محمد صلی الله علیه وسلم کانوا ابر هذه الامة قلوبا اعمقها علما۔ (مشکوٰۃ)

Scanned with CamScanner

آنحضرت ﷺ کے صحابہ نہایت نیک دل تھے، اور ان کا علم بہت گہرا تھا۔

اگر صحابہ کسی تفسیر پر اتفاق فرمادیں تو پھر صحیح تفسیر وہی ہے اگر اختلاف (گو یہ بہت ہی کم ہے) کریں تو جس کی رائے مصالح شرعیہ اور عامۃ المسلمین کے حق میں زیادہ مفید ہوا سے قبول کرنا چاہیئے۔

اقوال صحابہ کی حجیت کا یہی مطلب ہے کہ وہ عام حالات میں حسب امکان کتاب و سنت سے الگ نہیں ہوتے۔ وہ آنحضرت ﷺ کی عملی اور اعتقادی زندگی کا اخلاقی مجسمہ تھے، اس لئے تفسیر ہو یا عقائد، اخلاق ہوں یا فقہیات وہ آنحضرت ﷺ کا نمونہ تھے، اس لئے ان کو اسی نگاہ سے دیکھنا چاہیے۔ لیکن اگر بالفرض صحابہ کا کوئی قول یا تفسیر قرآن اور سنت صریحہ کے خلاف ہو تو ترجیح کتاب وسنت ہی کو ہوگی۔

صحابہ کے بعد تابعین کا زمانہ ہے تابعین کا علم صحابہ سے ماخوذ ہے لیکن اس زمانہ میں فتنوں کا شیوع (پھیلاؤ) ہو چکا تھا۔ اعتقادی بدعات عام ہو رہی تھیں۔ علمی حلقے بھی کم وبیش متاثر تھے، علمی ثقاہت زمانہ صحابہ کی طرح نہ تھی اس لئے اس دور کی منقولات کو وہ مقام حاصل نہیں جو صحابہ کے آثار کو حاصل ہے، مشہور آئمہ تفسیر میں سے مجاہد بن جبر، سعید بن جبیر، عکرمہ مولی ابن عباس، عطاء بن ابی رباح، حسن بصری، سعید بن مسیّب، مسروق بن اجدع، ربیع بن انس، ابو العالیہ، قتادہ بن دعامہ اور ابوضحاک بن مزاحم وغیرہ ہیں۔ مجاہد فرماتے ہیں میں نے حضرت ابن عباس سے تین دفعہ پورا قرآن عزیز پڑھا، ہر آیت کے متعلق دریافت کیا، پھر جو سنا بوقت ضرورت اسے لکھا تاکہ علم کا سلسلہ چلتا رہے اس کے باوجود ان بزرگوں کا وہ مقام نہیں جو صحابہ کو حاصل تھا، (اصول التفسیر لابن تیمیہ ص: ۲۸)

شعبہ بن حجاج فرماتے ہیں:

اقوال التابعین فی الفروع لیست حجج فکیف تکون حجة فی

التفسیر یعنی انها لا تکون حجة علی غیر هم ممن خالفهم وهذا صحیح اما اذا اجمعوا فلا یرتاب فی کونه حجة فان اختلفوا فلا یکون قول بعضهم حجة علی بعض ولا علی من بعد هم ویرجع فی ذالك الی لغة القران او السنة او عموم لغة العرب او اقوال الصحابة

(اصول تفسیر ابن تیمیہ ص:۲۹)

تابعین کے اقوال جب فروع فقہیہ میں حجت نہیں تو تفسیر میں کیسے حجت ہوں گے، یہ بصورت خلاف نہ باہم حجت ہوں گے نہ کسی دوسرے پر۔ شعبہ کا یہ خیال بالکل درست ہے، لیکن اگر وہ کسی بات پر اجتماع فرمالیں تو اجتماع کی حیثیت شرعاً معلوم ہے، ان میں اختلاف کی صورت ہو تو قران کی لغت، سنت اور عام لغت عرب اور اقوال صحابہ کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

اختلاف کی نوعیت:

یہ عجیب بات ہے کہ احادیث صحیحہ میں اختلاف بالکل نہیں، اور جو بظاہر معلوم ہوتا ہے، اس میں ادنیٰ تامل کے ساتھ ترجیح اور تطبیق کی صورت نکل آتی ہے۔ تفسیری اختلاف میں بھی فقہی اور فرعی اختلاف کی طرح صرف تنوع ہے، اختلاف کی نوعیت راجح اور مرجوح مباح اور مستحب سے زیادہ نہیں جیسے آئمہ اربعہ، فقہاء محدثینؒ میں پایا جاتا ہے، اہل بدعت کی طرح اس میں انکار و تکفیر کی نوبت نہیں آتی۔

صحابہ کی تفسیر کا بھی یہی حال ہے، عموماً وہاں مختلف اقوال میں تنوع ہوتا ہے، عام آدمی اسے اختلاف سمجھتا ہے، دراصل وہاں آیت میں مختلف احتمالات ہوتے ہیں، جن سے استخراج مسائل میں وسعت ہوتی ہے، اور فکر و نظر کے لئے راہیں کھلتی ہیں۔

Scanned with CamScanner

خلاصہ کلام:

آخر میں ہم شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے ایک جامع بیان پر اس بحث کو ختم کرتے ہیں شیخ فرماتے ہیں اگر کوئی سوال کرلے کہ تفسیر کا بہترین طریقہ کون سا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ سب سے بہتر طریقہ تو یہ ہے کہ قرآن کی تفسیر قرآن ہی سے کی جائے۔ قرآن مجید میں ایک مقام پر جو چیز مجمل ہے وہ دوسرے مقام پر مفصل موجود ہے، ایک جگہ جو مسئلہ مختصر ہے، دوسری جگہ اسے بسط سے بیان کر دیا گیا ہے، اگر اس طریق میں دقت محسوس ہو تو پھر سنت سے تفسیر کرو، وہ اس کی شارح ہے۔ امام محمد بن ادریس شافعی فرماتے ہیں آنحضرت ﷺ کے تمام احکام قرآن ہی سے ماخوذ ہیں' اللہ تعالی فرماتا ہے۔

انا انزلنا اليك الكتاب بالحق لتحكم بين الناس بما اراك الله ولا تكن للخائنين خصيما۔

ہم نے تم پر کتاب کو اس لئے اتارا تا کہ آپ لوگوں میں اپنی سمجھ کے مطابق حکم کریں اور خیانت پیشہ لوگوں کی طرح بحث نہ کریں۔

انا انزلنا اليك الذكر لتبين للناس ما نزل اليهم ولعلهم يتفكرون۔

ہم نے آپ کی طرف قرآن اس لئے اتارا کہ جو کچھ آپ پر اتارا گیا ہے، آپ لوگوں سے بیان کریں تا کہ [illegible] سوچیں۔

وما انزلنا عليك الكتاب الا لتبين لهم الذى اختلفوا فيه و هدى ورحمة لقوم يؤمنون۔

ہم نے آپ پر صرف اس لئے کتاب کو اتارا کہ آپ لوگوں کے لیے اختلافات میں وضاحت فرمادیں، اور اہل ایمان کے لئے اس کتاب میں ہدایت اور رحمت ہے۔

اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا مجھے قرآن بھی دیا گیا ہے، اور اس کی مثال اس کے

ساتھ دی گئی۔ یعنی سنت۔

اور سنت آپ پر قرآن کی طرح بذریعہ وحی اترتی تھی، لیکن قرآن کی تلاوت کی جاتی ہے، اور سنت کی تلاوت نہیں کی جاتی۔ امام شافعی اور بعض دوسرے ائمہ نے اس موضوع پر مدلل گفتگو فرمائی ہے جس کی تفصیل کے لئے یہ موقعہ نہیں۔

غرض یہ ہے کہ آپ کو قرآن عزیز کی تفسیر قرآن ہی سے تلاش کرنا چاہیے۔ اگر قرآن میں آپ کو نہ ملے تو اسے سنت سے تلاش فرمائیں، جیسے آنحضرت ﷺ نے جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا تو فرمایا تم کس طرح حکم کرو گے، معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ کی کتاب کے ساتھ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اگر کتاب اللہ میں وہ حکم نہ ملے تو معاذ نے فرمایا میں اللہ کے رسول کی سنت سے فیصلہ کروں گا، اگر وہاں نہ ملے فرمایا میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ آنحضرت ﷺ نے معاذ کے سینہ پر تھپکی دی، اور فرمایا الحمد للہ! اللہ تعالیٰ نے اس کے رسول کے فرستادہ کو رسول کی صوابدید کے مطابق فیصلہ کی توفیق مرحمت فرمائی۔ یہ سنن اور مسانید میں متعدد اسانید سے مروی ہے۔

اس وقت ہم اگر تفسیر کو قرآن اور سنت میں نہ پائیں تو ہم اقوال صحابہ کی طرف رجوع کریں گے، کیوں کہ انہوں نے قرآن اور اس ماحول کو مشاہدہ کیا، جن حالات اور جس ماحول میں قرآن نازل ہوا اور اس لئے کہ ان کا فہم کامل ہے، اور علم صحیح خصوصاً ان میں سے اکابر اہل علم اور آئمہ اربعہ یعنی خلفاء راشدین اور دوسرے آئمہ ہدی رضی اللہ عنہم جیسے عبداللہ بن مسعود۔ (اصول التفسیر۔ ص: ۲۴۔۲۵)

لغت عرب:

قرآن، سنت، آثار صحابہ اور سلف کے علوم عموماً عربی زبان میں ہیں، اس لئے مفسر کے لئے عربی زبان کا جاننا ضروری ہے لیکن زبان کی وسعت اسی میں حقیقت، مجاز،

Scanned with CamScanner

استعارات، تشبیہات، کنایات کے پائے جانے کی وجہ سے الفاظ کی دلالت میں ظن کی سی کیفیت پائی جاتی ہے، اس لئے یہ قطعی فیصلہ کرنا کہ لفظ سے جو معنی ہم مراد لے رہے ہیں، فی الحقیقت متکلم کا مقصود یہی ہے، استعارات میں تنوع، تشبیہات میں مختلف اسالیب اور کنایات اور ان کے عقلی اور عادی لوازم کے ساتھ ربط۔ اس میں اس قدر ابہام ہے کہ کسی لفظ سے اس کی حقیقی مراد کے متعلق حتمی فیصلہ کرنا کافی مشکل ہے، پھر آئمہ لغت کی یہ عادت ہے کہ وہ تمام مستعمل معانی کو جمع کر دیتے ہیں، اور حقیقی اور غیر حقیقی معنے میں امتیاز نہیں کرتے اس لئے لغت کا پورا کارخانہ از اول تا آخر ظنی ہے۔

پھر آئمہ لغت نے جو معانی نقل کئے ہیں، ان کی کوئی سند نہیں، اصمعی، ابن الانباری، مبرد، جاحظ، زمخشری یہ آئمہ لغت اپنا اپنا سماع نقل فرما دیتے لیکن ان کے پاس کوئی سند نہیں جس پر ضرورت کے وقت تنقید کی جا سکے، اور غلط اور صحیح میں امتیاز کیا جا سکے۔ آئمہ لغت کی اسانید آئمہ حدیث کی اسانید سے کہیں زیادہ کمزور اور نا قابل وثوق ہیں۔

پھر لغت کے تغیرات اور محاورات میں صبح اور شام کی تبدیلیوں نے دال اور مدلول کی حیثیت سے شکوک واوہام کی اور بھی کئی راہیں کھولدی ہیں۔ اس لئے لغت کو کتاب وسنت کی صف میں کھڑا کرنا مشکل ہے، اگر آئمہ لغت کی تصریحات کہیں منقولات شرعیہ سے ٹکرا جائیں تو ترجیح منقولات شرعیہ کو ہوگی۔

یوں بھی آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ کبار لغت عربی کو آج کے مجتہدین سے بہت بہتر سمجھتے تھے، اس لئے بلحاظ لغت بھی تقدم (اولیت) ان حضرات کو حاصل ہوگا۔ آئمہ لغت میں تقویٰ اور صلاح کی وہ کیفیت نہیں جو فقہاء اور محدثین میں پائی جاتی تھی۔ زمخشری اور جاحظ ایسے لوگ لغت اور ادب میں امام شمار ہوتے ہیں۔ لیکن علم دیانت کی محفلوں میں ان کی قیمت دو کوڑی بھی نہیں اس لئے لغت کے نقل کرنے میں وہ احتیاط ملحوظ

نہیں رہی جو نقل روایات میں ملحوظ رہی۔

غرض علوم لغت کی انتہائی اہمیت کے باوجود انہیں علوم سنت کا مدمقابل تصور نہیں کیا جاسکتا، جس حضرات کو اخبار احاد سے گھبراہٹ اور تکلیف محسوس ہوتی ہے، انہیں سوچنا چاہیے کہ لغت تو شکوک واوہام کا سمندر ہے اسے وہ کیسے گوارا کرسکیں گے، پھر لغت کا انحصار تمام تر سماع اور تقلید پر ہے، جن حضرات کی جھوٹی پیاس اور ہوس استسقاء دفاتر سنت سے پوری نہیں ہو پاتی۔ لغت کے مکدر (گدلے) چشمے انہیں کیوں کر سیراب کرسکیں گے، لغت کی ساخت اس پر ظروف واحوال کا اثر اور اس کی نقل غیر موثق ذرائع کے ہوتے ہوئے وہ کسی طرح سنت اور آثار سلف کی حریف اور رقیب بننے کی اہل نہیں۔ یہ دعویٰ آج کل علمی طور پر پسماندہ دور ہی میں کیا گیا ہے ورنہ زمخشری اور جاحظ پھر ان کے بعد آئمہ اعتزال وتجہم نے بعض احادیث پر تنقید کی جرآت تو شاید کی ہو لیکن انکار حدیث کا حوصلہ ان حضرات کو کبھی نہیں ہوا۔ یہ حوصلہ ہمارے دور کے جہلا عظام کو ہوا۔

وذالك لقلة العلم وكثرة الممارسة بينا بيع الجهل والاقتداء بجهلاء اوربا۔

تجوید:

فن تجوید نے قرآن کے الفاظ کی صحت میں بے حد مدد دی ہے، معلوم ہے کہ قرآن کو درست پڑھنا شرعاً ضروری ہے اس لئے فن تجوید سے استغنا کی بھی کوئی صورت نہیں۔ فن تجوید کا اصل مقصد الفاظ، ان کے مخارج کی صحت اور صفات حروف اور ان کے تقاضوں کو پورا کرنا ہے، لیکن مشکل یہ ہے گانا اور مخارج میں بلاوجہ تکلف تجوید کا جزو بن گیا' قاری کا تلفظ صحیح نہ ہو لیکن اس کی لے اچھی یعنی باانداز غنا اور موسیقی ہو تو اسے زیادہ پسند کیا جاتا ہے، آج کل جس قدر غلطی غیر مجود قاری کرتا ہے اسی قدر مجود قاری قرآن عزیز کو خراب کرتے

ہیں۔ عام قاری الفاظ کے مخارج، اظہار اخفا، وقف اور ابتداء میں غلطی کھاتے ہیں، لیکن مجود قاری الفاظ کے زیر و بم اور اسے موسیقی کی تانوں میں لے جا کر قرآن کی بے ادبی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اس میں اعتدال کی ضرورت ہے، قرآن مجید صحیح طور پر پڑھا جائے اس کے مخارج درست ہوں۔ لیکن اسے قوالی اور راگ کا انداز نہیں بنانا چاہیئے۔

وکان بین ذالك قواماً۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

اقرء واالقران بلحون العرب واصواتها وایاکم ولحون اهل الکتابین واهل الفسق فانه سیجیی بعدی قوم یرجعون القرآن ترجیع الغناء والرهبانیة والنوح لایجاوز حناجرهم و مفتونة قلوبهم وقلوب من یعجبهم شانهم (طبرانی فی الاوسط۔ بیهقی فی شعب الایمان۔ جامع الصغیر مع فیض القدیر۔ ص:۶۵، ج:۱)

قرآن کو عرب کی آواز اور لہجہ میں پڑھو، اہل کتاب اور فساق کے لہجہ سے بچو عنقریب ایسے لوگ آئیں گے جو اسے موسیقی کی تانوں میں پڑھیں گے، نوحہ اور رہبانیت کا لہجہ پسند کریں گے۔ قرآن ان کے حلق سے نہیں اترے گا۔ ایسے قراء اور انہیں پسند کرنے والوں کے دل فتنہ کی نذر ہو چکے ہیں۔

یہ حدیث سند کے لحاظ سے ضعیف ہے، لیکن بہت سی صحیح احادیث میں تصنع اور تکلف کی مذمت آتی ہے قرآن مجید میں تکلف اور بناوٹ سے منع فرمایا گیا ہے۔

اوقاف:

روزانہ گفتگو میں انسان تسلسل کو بھی توڑ دیتا ہے، کبھی تھوڑا ٹھہر کر سلسلہ گفتگو جاری کر دیتا ہے، آج کل فن تحریر نے ترقی کی ہے یہ مطلب کالموں سے لیا جاتا ہے۔ فقروں کو

Scanned with CamScanner

تقلیع اور تجدید کے لئے مختلف نشان دیئے جاتے ہیں۔ قرآن مجید نثر ہے، لیکن اس کے نسق اور ترتیب فقرات کی تقلیع اور تقسیم میں اعجاز کی شان نمایاں ہے۔ ان مختلف اوقاف کو اگر ملحوظ رکھا جائے تو مطلب کی وضاحت میں بڑی مدد ملتی ہے اوقاف کے نشانات اور علامات گو متاخرین نے مقرر فرمائے ہیں۔ لیکن طریق قرأۃ تواتر سے ہم تک آ رہا ہے۔ جیسے حرکات اور تشکل کی صورتیں بعد میں متعین کی گئی ہیں، لیکن حرکات کا وجود ابتدا ہی سے موجود تھا۔ اعجام اور اہمال اسی وقت سے موجود ہے جب سے عربی زبان دنیا میں ظاہر ہوئی لیکن جیسے جیسے خط نے ترقی کی معجم الفاظ کے لئے نقاط کی صورت اور مقام متعین کر دیا گیا۔ اسی طرح اوقاف تو ہمیشہ سے زبان میں رہے، لیکن ان کے احکام، علامات کا تعین بوقت ضرورت ہوا۔ جب اس ضرورت نے فن کی صورت اختیار کی تو بعض اصطلاحات اور احکام کا اضافہ اسی میں اور ہوا اور بتدریج مباحث اس میں بڑھتے رہے۔ یہ تمام مباحث عقیدہ اور دین کی حیثیت تو نہیں رکھتے لیکن عام گفتگو میں اور خاص طور پر قرآن عزیز میں ان کا لحاظ رکھنا بے حد ضروری ہے ورنہ بسا اوقات معنی غلط ہو جائے گا۔ قرآن مجید کے مقاصد کو اس سے نقصان پہنچے گا۔ ممکن ہے بعض مقامات پر نماز پر اس کا اثر پڑے۔ صحابہ اوقاف کا لحاظ رکھتے تھے، سنن بیہقی میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے۔

لقد عشنا برهة من دهرنا وان احدنا ليؤتى الايمان قبل القران وتنزل السورة على محمد ﷺ فنتعلم حلالها و حرامها وما ينبغى ان يوقف عنده منها كما تتعلمون انتم القران اليوم ولقد رأينا اليوم رجالا يوتى احدهم القرآن قبل الايمان فيقرا ما بين فاتحة الى خاتم و ما يدرى ما امره وما زجره۔ ولا ما ينبغى ان يوقف عنده منه۔ قال النحاس هذا الحديث يدل على انهم كانوا يتعلمون الاوقاف كما

یتعلمون القرآن (اتقان فی علوم القران۔ص:۸۵ج:۱،البرھان فی علوم القران ص:۲۴۲ ج:۱،سنن بیہقی النشر فی القرآت العشر ۔ص:۲۲۴،ج:۱)

ہم نے کافی وقت گذارا ہم کو قرآن سے پہلے ایمان دیا گیا آنحضرت ﷺ پر سورۃ اترتی ہم اس کے حلال اور حرام سیکھتے اور اس کے اوقاف معلوم کرتے۔اب ہم ایسے لوگوں کو جانتے ہیں،جن کو قرآن ایمان سے پہلے دیا گیا۔تلاوۃ قران کو فاتحہ سے لے کر والناس تک پڑھتے ہیں۔لیکن نہ انہیں امر و نہی کا علم ہے نہ وہ اوقاف کے مواقع کو سمجھتے ہیں۔

نحاس (راوی) فرماتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اوقاف کا علم قرآن ہی کی طرح سیکھا جاتا تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ترتیل کا مطلب ہی یہ ہے کہ مخارج درست پڑھے جائیں،اور اوقاف کو سمجھ کر پڑھا جائے۔عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے اثر سے سمجھا جاتا ہے۔صحابہ کا اس امر پر اتفاق اور اجماع تھا۔ابن الانباری فرماتے ہیں۔قرآن کی صحت کے لئے اوقاف کا جاننا ضروری ہے۔

واقعہ بھی یہی ہے کہ اس علم کے بغیر قرآن کے معانی اور اس سے مسائل کا استنباط ہی نہیں ہوسکتا۔

سیوطی فرماتے ہیں آئمہ سلف سے یہ علم ہم تک پہنچا ہے۔متاخرین کا خیال ہے علم تجوید کی سند اور اجازت ہی نہیں دینی چاہیئے جب تک علم اوقاف کو صحیح طور پر سمجھ نہ لیا جائے۔

بعض قراء کا خیال ہے کہ وقف کسی غرض اور مقصد کے خاتمہ پر ہونا چاہیئے،لیکن جمہور اہل علم کا خیال ہے کہ وقف آیات کے خاتمہ پر ہونا چاہیئے۔

واتباع السنة اولی و ممن ذکر ذالك الحافظ ابوبکر البیهقی فی کتاب شعب الایمان وغیره وارجح الوقف علی رؤس الای وان تعلقت

بما بعد (البرھان للزرکشی۔ص:۳۵،ج:۱)

اس معاملہ میں سنت کا اتباع بہتر ہے حافظ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے شعب الایمان وغیرہ کتب میں اس کا ذکر فرمایا ہے، ان کے نزدیک راجح یہی ہے کہ آیات پر ہی وقف کیا جائے، گو آیت کا تعلق بعد کے ساتھ بھی ہو۔

مسنون یہی ہے کہ آیات کے شروع میں وقف کیا جائے گو نحوی تحلیل کے لحاظ سے اس کا تعلق دوسری آیت میں موجود ہو، حافظ ابوبکر بیہقی وغیرہ آئمہ حدیث اور آئمہ قرأۃ کا یہی حال ہے۔ علامہ محمد بن محمد جزری فرماتے ہیں:

وکان ائمتنا یوقفوننا عند کل حرف ویشیرون الینا فیه بالاصابع. سنة اخذوها کذالك عن شیوخهم الاولین رحمة الله علیهم اجمعین وصح عندنا عن الشعبی وهومن ائمة التابعین علما و فقها و مقتدی انه قال اذا قرأت کل من علیها ولا تسکت حتی تقره ویبقی وجه ربك ذوالجلال والاکرام (النشر فی القرآت العشر۔ص:۲۲۵،ج:۱)

ہمارے ائمہ ہمیں ٹھہر اکر اشاروں سے اوقاف سمجھایا کرتے تھے اور یہ طریق انہوں نے اپنے سابق شیوخ رحمہم اللہ سے سیکھا تھا۔ امام شعبی جو تابعین میں علم وفقہ کے لحاظ سے امام تھے فرماتے تھے جب تم کل من علیها فان پڑھو تو اس کے ساتھ و یبقی وجه ربك ذوالجلال و الاکرام ملائے بغیر سکوت مت کرو (کیوں کہ معنی غلط ہو جائے گا)۔

شیخ محمد بن محمد جزری فرماتے ہیں:۔

انما یریدون بذالك الجواز الاداء وهو الذی یحسن فی القراة و یروق فی التلاوة ولا یریدون بذالك انه حرام ولا مکروه ولا ما یوثم به بل ارادوا بذالك الوقف الاختیار الذی یبتدأ بما بعده (النشر۔ص:۲۳۰،ج:۱)

Scanned with CamScanner

قراء کی اصطلاح میں جہاں یجوز اور لایجوز کا ذکر آتا ہے، اس سے ان کی مراد حسن ادا ہے جس سے قرأۃ میں خوبصورتی اور رونق نمایاں ہو۔ اس سے ان کی مراد حرام یا مکروہ یا گناہ نہیں ان کا مقصد صرف اختیاری وقف ہے۔

اسی بحث میں فرماتے ہیں:۔

وهذا الذى اصطلح عليه السجاوندى (لازم) وعبر عنه بعضهم بالواجب وليس معناه الواجب عند الفقها يعاقب على تركه كما توهمه بعض الناس۔ (ص:۶۳۱، ج:۱)

سجاوندی کی اصطلاح میں لازم اور بعض دوسرے قراء کے نزدیک واجب کا لفظ کہتے ہیں اس سے مراد وجوب فقہی نہیں جس کے ترک پر عنداللہ مواخذہ کیا جاسکے۔

مفصل احکام کے لئے علم قراءۃ کی کتابوں کی طرف رجوع کرنا چاہیے ابوعمروانی، سجاوندی، ابن الانباری نے اس موضوع پر مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ ابن الجزری ۸۳۳ء نے النشر میں کافی تفصیل فرمادی ہے۔

نسخ کے معانی:

قال ابو عبدالله محمد ابن حزمؒ اما اصله فالنسخ فى اللغة عبارة عن ابطال شىء و اقامة اٰخر مقامه قال ابو حاتم الاصل فى النسخ هو ان يحول العسل فى خلية والنحل فى اخرى (كشف الاسرار ۸۷٤ج ۳ شرح اصول بزدوى (معرفة الناسخ والمنسوخ بهامش جلالين ۱۴۶ج۶)

والنسخ ابطال الشى واقامه اخر مقاصه (لسان لعرب ج۳)

لغت میں نسخ کا مطلب یہ ہے کہ ایک چیز کو ہٹا کر دوسری اس کی جگہ رکھ دی جائے۔

Scanned with CamScanner

شہد کی مکھی اور شہد کے خزانوں کو نسخ کہتے ہیں اصطلاح میں اس کی تعریف یہ ہے۔

رفع تعلق حکم شرعی بدلیل شرعی متاخر عنه (شرح نخبہ ص ۸۵۔ارشادالفحول ص:۱۷۲،حصول المامول ص:۷۹)

ایک شرعی حکم کا تعلق دوسرے شرعی حکم سے ختم ہو جائے، پہلا منسوخ ہوگا، دوسرا ناسخ۔

شرائع میں نسخ مسلم ہے ہر آنے والا پیغمبر عموماً پہلے نبی کے بعض احکام کو منسوخ کرتا ہے۔

ولاحل لکم بعض الذی حرم علیکم۔

میں تم پر بعض چیزیں حلال کرتا ہوں جو پہلے حرام تھیں۔

متقدمین آئمہ اسلام کا نسخ پر اتفاق ہے، علماء اسلام سے اس میں بظاہر کوئی اختلاف منقول نہیں۔ سابقہ کتابیں توراۃ، انجیل، زبور جس حالت میں اس وقت موجود ہیں وہاں نسخ کی بحث بے سود ہے، وہاں معاملہ مسخ کی حد تک پہنچا ہوا ہے، کبھی حواشی متن بن جاتے ہیں کبھی متن حواشی کی جگہ لے لیتا ہے، بعض نسخوں میں بعض آیات ہی ناپید ہیں اس لئے ان میں نسخ کی بجائے مسخ زیر بحث آنا چاہیئے، اس لئے علماء یہود اور نصاریٰ ان صحائف کے متعلق نسخ کی بحث بہت کم کرتے ہیں یہ بات کسی قدر درست بھی ہے جب پوری کتاب بلکہ اس کا کثیر حصہ مشکوک ہو وہاں بعض آیات یا احکام کے نسخ کی بحث قطعی غیر مفید ہے۔

قرآن مجید میں نسخ:

مسیحی اور یہودی مناظرین قرآن مجید میں بعض آیات کے نسخ کو زیر بحث لائے، اور اس پر انتقامی انداز کی تنقید کی ہے اسی طرح جو مسلمان مسیحی مبلغین اور یورپ کے مستشرقین سے متاثر ہیں وہ بھی اس مسئلہ کی وجہ سے کئی ایک باطل شبہات میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ اور ان حضرات نے بعض دوسرے مخلص لیکن یورپ زدہ عوام کو شبہات اور شکوک میں مبتلا کر دیا ہے۔

Scanned with CamScanner

سید احمد خاں مولوی چراغ علی محمد علی لاہوری قادیانی پرویزی حضرات:۔

یہ سب اس مرض میں گرفتار ہیں اس لئے آج کا یہ مسئلہ واقعی ایک اختلافی مسئلہ بن گیا ہے، الحاد پسند حضرات اسے عموماً بحث ونظر کی مجالس میں اچھالتے رہتے ہیں۔

نسخ پر اعتراض:

جہاں تک اصول کا تعلق ہے۔ جب آسمانی شرائع میں نسخ کو قبول کر لیا گیا کسی خاص کتاب یا کسی خاص مقام پر نسخ کو محل اعتراض سمجھنا چنداں معقول معلوم نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ اگر پوری شریعت کو بدل سکتا ہے تو شریعت کے بعض احکام بھی بدل سکتا ہے، تشریح کے لیے مناسب وقت اور اسے بدلنے کے لئے مناسب وقت دونوں اللہ ہی کے حکم میں ہیں اور وہی اس میں کلیۃً مختار ہے اس میں اس کے علم کا کمال ہے کہ اس نے بوقت ضرورت حکم دے دیا، جب اس کی ضرورت نہ رہی حکم اٹھالیا۔

غرض اصول کے طور پر نسخ کے جواز پر کوئی معقول اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔

قرآن عزیز میں نسخ کا اندازہ:

عام لوگوں کو یہ وقت محسوس ہوتی ہے کہ منسوخ آیات کی تعداد میں بہت زیادہ اختلاف ہے۔ بعض علماء نے اس کی تعداد پانچ سو (۵۰۰) تک پہنچادی، اور بعض نے پانچ آیات کو مشتبہ سمجھا۔ پہلے ذکر ہوا ہے کہ آئمہ متقدمین نسخ کو لغوی معنی میں ہی استعمال فرماتے تھے، یعنی ایک حکم دوسرے حکم کی وجہ سے ٹل جائے، اگر کسی عام حکم کو خاص کر دیا جائے تو یہ بھی اپنے مقام سے ہٹ گیا۔ اگر کسی حکم میں کوئی قید یا شرط لگادی گئی تو اسے بھی منسوخ کہنا درست ہوگا۔ یا کسی حکم کی مدت ختم ہوگئی یا عام اور متبادر معنے کو نظر انداز کر کے غیر متبادر مفہوم لیا جائے۔ یا کسی منصوص حکم کو مقیس علیہ میں امر فارق بیان کیا گیا ہو یا کسی جاہلی اسم یا پہلی شریعت کے حکم کو ختم کرنا، آئمہ سلف ان تمام مواقع پر نسخ کا لفظ بلا تکلف استعمال فرماتے

تھے۔لغت میں نسخ کا یہی مطلب ہے کہ ایک چیز کو دوسری چیز سے زائل کر دیا جائے اس استعمال کے لحاظ سے منسوخ آیات کی تعداد پانچ سو سے بھی بڑھ سکتی ہے۔

اصطلاحی معنے سے منسوخ کی تعداد بہت ہی کم رہ جاتی ہے۔اگر متعارض آیات میں تطبیق کی کوشش کی جائے تو یہ تعداد اور بھی کم ہو جاہے گی۔حافظ سیوطی نے اصطلاح کے مطابق منسوخ آیات کی تعداد بیس لکھی ہے،امام ابن العربی کی بھی قریبا یہی رائے ہے،شاہ صاحب نے ان بیس میں تطبیق کے بعد فرمایا:

وعلی ما حرر نا لا یتعین النسخ الا فی خمس اٰیات (فوز الکبیر مح جامع البیان۔ ص:۱۰)مطبوعہ فاروقی پریس دہلی۔

ہماری تحریر کے مطابق منسوخ آیات کی تعداد صرف پانچ رہ جائے گی۔نواب صدیق حسن خاں رحمۃ اللہ علیہ نے شاہ صاحب کے ان اصول کے پیش نظر پانچ میں بھی تطبیق کی کوشش فرمائی ہے،اور آخر میں فرماتے ہیں:

واز ینجا در یافتہ باشی کہ ورنسخ درایں پنج آیہ نیز اختلاف است و برآیں تقدیر منسوخ متعین از خمس آیات ہم کمتر باشد واللہ اعلم (دلیل الطالب الی جح المطالب ص:۸۰۲)

مسئلہ نسخ میں جہاں تک اصل اور نظریہ کا تعلق ہے۔آئمہ سنت کے نزدیک صحیح اور درست ہے،اس پر جن حضرات نے اعتراضات کئے ہیں،وہ صرف شکوک اور شبہات ہیں، یہ شبہات بھی کسی شرعی اساس پر مبنی نہیں جہاں تک منسوخ آیات کی مقدار میں ہمیشہ اختلاف رہا ہے بعض نے کسی آیت کو منسوخ کہا،دوسرے نے ترجیح اور تطبیق کی صورت پیدا کر دی،متقدمین اور متاخرین میں اصطلاحی اختلاف کی وجہ سے بھی تعداد میں کمی بیشی ہوئی۔یہ علمی مسئلہ ہے اس میں نظر وفکر کے لئے راہ کھلی رہنی چاہیئے۔شاہ ولی اللہ اور نواب صدیق حسن خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہما نے جس طرح تطبیق کی کوشش فرمائی ہے،ممکن ہے

Scanned with CamScanner

بعض ذہن بعض مقامات کے قبول کرنے میں تامل کریں یا ترجیح اور تطبیق کی کوئی دوسری راہ پیدا کریں تو علمی اور نظری طور پر اس میں کوئی حرج نہیں ہوگا۔ بلکہ اگر اس اصل کے مطابق تمام آیات میں جہاں نسخ کا خیال ہے، اگر تطبیق سمجھ میں آجائے تو یہ کہاں درست ہوگا کہ قرآن عزیز میں کوئی آیت منسوخ نہیں۔

احادیث کے متعلق نواب صدیق حسن خاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے یہی روش اختیار فرمائی ہے، حافظ ابن جوزی اکیس احادیث کو منسوخ سمجھتے ہیں، بعض اہل حدیث نے ان کی تعداد انیس بتائی ہے، ابن تیمیہ نو، دس فرماتے ہیں، ابن قیم رحمتہ اللہ علیہ کا خیال ہے کہ اس سے کم ہیں، حازمی سے ستانویں (۹۷) احادیث کے متعلق نسخ کا دعوی کیا گیا ہے، غرض مقدار کا مسئلہ علماء کے نزدیک اعتقادی نہیں اس میں نظر وفکر کے لئے راہیں کھلی ہیں آخر میں فرماتے ہیں: مقصود دریں موضع ذکر احادیث است اکثر ازاہل علم منسوخیتش رفتہ اند درنہ درنسخ ایں حدیثہا ہم مارا مقال است۔ پھر زرقانی کے حوالے سے فرماتے ہیں:

مذهب المحدثين والاصوليين والفقهاء انه متى امكن الجمع بين الحديثين وجب الجمع (دليل الطالب ۸۰۳)

آئمہ اور فقہاء محدثین کا خیال ہے کہ جب جمع ممکن ہو تو جمع کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اس پر اصرار نظر وفکر سے جی چرانے کے مرادف ہے جب تک کسی نص پر عمل ممکن ہو اسے مہمل بنانے کی کوشش کرنا یہ علم دانش کے ساتھ خصومت ہے، آئمہ اصول نے نسخ کی کئی اقسام ذکر فرمائی ہیں یہ بھی کوئی بنیادی چیز نہیں یہ محض علماء کے علمی تجربے ہیں، یہ اعتقاد اور اصول دیانت کا مسئلہ نہیں۔

Scanned with CamScanner

حضرت مولانا ثناء اللہ صاحبؒ مرحوم:

مرحوم انیسویں صدی کے آواخر میں پیدا ہوئے، مسلک اہل حدیث کے لیے یہ خاص ابتلاء کا وقت تھا۔ سید احمد شہید اور مولانا اسمعیل نے جس تحریک جہاد کا آغاز شروع صدی میں کیا تھا۔ وہ ۱۸۳۱ء مطابق ۱۲۴۰ء میں بظاہر ختم ہوگئی اس تحریک کو دبانے کے لیے سکھ اور انگریز دونوں کا سمجھوتہ تھا، مجاہدین کے مقابلے میں انگریز جرنیل اور سکھ فوجی دونوں دوش بدوش کام کر رہے تھے۔ تحریک جب ظاہراً ختم ہوئی تو سکھ سیاست نزع کی حالت میں تھی، پروانوں کی موت نے شمع کو بھی پیغام سحر دے دیا تھا، تحریک جہاد انڈر گراؤنڈ ہوگئی تو سکھ سیاست آخری ہچکی لے کر ہمیشہ کی نیند سوگئی۔

دیدی کو خون ناحق پروانہ شمع را
چنداں اماں نداد کہ شب را سحر کند

لیکن انگریز اپنی عیاریوں کی وجہ سے سیاست کی بساط پر ابھر آیا آگے وہ رنجیت سنگھ کے جھنڈے کے نیچے لڑ رہا تھا، اب وہ اپنے اقتدار کے لیے میدان میں اتر آیا مجاہدین کی نقل وحرکت اور ان کے زیر زمین ٹھکانوں سے وہ بہت حد تک واقف تھا، اسے ان فقراء کے مخلصانہ طریق کار کا بھی کافی علم تھا۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ اہل توحید کے دلوں میں اور مسلم سیاست دانوں کے قلوب میں ان کے لئے کس قدر احترام ہے۔ اسے اہل بدعت کے رستے ہوئے ناسور کا علم تھا۔ بریلی، بدایوں اور خیر آباد کی ذہنی سوزشوں کا بھی علم تھا۔ اس لیے اس نے ٹھنڈی سیاست کے سہارے ان تمام طاقتوں کا جائزہ لیا۔ اور ہر طاقت کو اپنے اپنے مقام پر استعمال کیا۔ اور مسلمانوں کی سادہ دلی سے پورا فائدہ اٹھایا۔ یہ سرد اور گرم جنگ اپنی طبعی اور غیر طبعی رفتار کے ساتھ اٹھارھویں صدی کے آخری نصف میں داخل ہوگئی۔ صادق پوری خاندان اس وقت تحریک جہاد کے پورے ماحول پر محیط تھا، مسلم

Scanned with CamScanner

مجاہدین کے وفود مغربی بنگال سے بہار، مشرقی بنگال، راجپوتانہ سے ہوتے ہوئے سندھ کے ریگستانوں کو عبور کرتے ہوئے بلوچستان کی برفانی پہاڑیوں میں غائب ہو جاتے تھے۔ سندھ کے مقام اتصال سے کبھی پورے پنجاب کو روندتے ہوئے ضلع ہزارہ سے نکلتے، مانسہرہ، کالا باغ میں چھپتے چھپاتے بالاکوٹ کے اطراف میں پہنچ جاتے تھے۔ انگریز کے لئے یہ نقل وحرکت نزع کا منظر بنتی جارہی تھی۔ انگریزی ملازم اور سرکاری دفاتر اس مقدس تحریک کے رضا کار تھے۔

انگریز کی بدحواسی:

اس ضیق میں انگریز بدحواس ہوگیا اس نے ۱۸۵۷ء میں ایسی احمقانہ حرکتیں کیں کہ اس نے پورے ملک کو اپنے خلاف صف آراء کرلیا۔ ہندو، مسلم، مرہٹے، بہادر شاہ ایسے بوڑھے کمزور بھی انگریز کی موت کے خواب دیکھنے لگے، اس غیر منظّم ہنگامہ کی قیادت تو شرعاً مجاہدین اپنے سر نہیں لے سکتے نہ ہی اس عمیت کے ہنگامہ کی قیادت ان کے نزدیک درست تھی، لیکن انگریز کو بدنام کرنے اور اس کی سیاست کو دنیا میں رسوا کرنے میں جس قدر فائدہ اٹھایا جاسکتا تھا، وہ پورا پورا اٹھایا گیا۔

انگریز نے ظلم وتعدی سے اس غیر منظّم ہنگامہ کو ختم تو کرلیا، لیکن وہ اتنا روسیاہ تھا کہ خود سمجھ دار انگریزوں نے اسے ملامت کی، سرسید احمد خاں بالقابہ جیسا انگریز دوست بھی انگریز پر تنقید کرنے کے لئے مجبور ہوگیا، سرسید کا انداز تنقید کتنا ہی نرم اور لجاجت آمیز ہو بہر کیف وہ تنقید تھی اس نے پورے ہنگامہ کی ذمہ داری انگریز پر ڈال دی، اس سے ایک شرارت آمیز تبدیلی ہوئی، یعنی کمپنی کی بجائے سارا نظم ونسق ملکہ وکٹوریہ کے سپرد کردیا گیا۔

مجاہدین پر اس انقلاب کا اثر:

اس تبدیلی سے غالباً کچھ لوگ متاثر ہوں، لیکن مجاہدین کے نظریات پر اس کا اثر نہ

ہوا، وہ سمجھتے تھے کہ سکھ ہو یا کمپنی، ملکہ وکٹوریہ ہو یا کوئی اور غیر مسلم طاقت بہر حال اقتدار غیر مسلم کے ہاتھ میں ہے، اس لئے اسلامی نظام کا مسئلہ ہنوز لاینحل ہے۔ وہ زیر زمین جنگ بدستور جاری رہی، اور ملک میں روز بروز مقبول ہونے لگی۔

ایک اور میدان کارزار:

۱۸۵۷ء کے بعد مسیحی مشنری اس ملک کے طول وعرض میں پھیل گئے، اور اسلام کی دینی حیثیت کو چیلنج کیا جانے لگا، انہیں دیکھ کر آریہ سماج نے بھی اسلام کو ہدف بنایا، سوامی دیانند نے اسلام پر چھانے کے لئے یہ وقت مناسب سمجھا۔ اسی اثناء میں مرزا غلام احمد قادیانی نے جہاد کی تنسیخ کا فتویٰ دے کر انگریز کی بروقت خدمت کی اور تحریک جہاد کے پیٹ میں چھرا گھونپ دیا، اور اسلامی صفوں میں انتشار پھیلا کر انگریز کی بہت بڑی خدمت انجام دی، اور اسلام کو نقصان پہنچایا۔ اس وقت مسلمان مجاہدین زیر زمین میدان کارزار سے واپس آنے کے لئے تیار نہ تھے، لیکن انتشار پسند عناصر کے لئے قادیانیوں اور سماجیوں کے لیے میدان کو خالی چھوڑنا اس میں بھی نقصان کے بہت بڑے مواقع موجود تھے۔

حضرت مولانا ثناء اللہ کی آمد:

اس وقت مرحوم مولانا ثناء اللہ کا وجود قدرت کا ایک کرشمہ تھا، ملاء اعلی کی طرف سے اہل حق کے لیے ایک عطیہ تھا، مرحوم نے بیسویں صدی کے آغاز سے اس علمی جنگ کی تمام ذمہ داریاں اپنے کندھوں پر اٹھالیں اور مجاہدین حق کو مطمئن کر دیا، کہ وہ اپنی راہ پر چلتے رہیں، اس جنگ کے لئے انہیں بے قرار نہیں ہونا چاہیے۔

مرحوم نے اس کام کو اس طرح سنبھالا گویا قدرت نے انہیں اسی کے لئے پیدا فرمایا تھا، مسیحیت، قادیانیت، بہائیت، روافض، سماجیت سے بیسیوں مناظرات کے لئے مسلمانوں کے اندرونی اختلافات کے متعلق بھی پورے اعتدال کے ساتھ گفتگویں کیں کبھی

Scanned with CamScanner

مرحوم کا قدم اعتدال کی راہ سے نہیں ڈگمگایا۔ مناظرات میں آپ جذبات سے کبھی مغلوب نہیں ہوئے متانت کو کبھی ہاتھ سے نہیں جانے دیا، اوران مجالس میں بھی یہی ان کی کامیابی کا اصول تھا۔

مرحوم میں جامعیت:

مرحوم کو تمام فنون پر کافی عبور تھا، اور بوقت ضرورت ان سے بلا تکلف استفادہ فرماتے تھے، مناظرہ کے ساتھ مرحوم خوش بیان مقرر تھے، آخر عمر میں سورۃ واقعہ کے آخری رکوع کا بیان بڑے عارفانہ انداز سے فرماتے، تقریر میں عربی اردو، فارسی اشعار بکثرت استعمال فرماتے۔

مرحوم بہت بڑے مصنف تھے، مرحوم کی اکثر تصانیف مناظرانہ ہیں ان میں مخالفین کے شبہات کا دفاع کا گیا ہے، مرحوم نے اس دفاعی جنگ میں قرآن عزیز کی خدمت کو نظر انداز نہیں فرمایا۔ تفسیر ثنائی اردو زبان میں لکھی، ترجمہ اس انداز سے فرمایا کہ آیات میں ربط قائم رہے، پھر تفسیری نوٹ لکھے جس میں قرآن مجید کی تعلیمات کی وضاحت فرمائی گئی، اگر اعتراض سامنے آیا تو حواشی میں اس کی وضاحت فرما کر اعتراض رفع فرما دیا، یہ تفسیر پہلے شائع ہوئی اس پر چنداں اعتراضات نہیں ہوئے۔ اس کے بعد تفسیر القرآن بکلام الرحمان لکھی، اس میں مرحوم نے بڑی محنت کی۔ آیات کی تفسیر میں قرآن ہی سے مدد حاصل کی، قرآن کی مشکلات کو قرآن ہی سے حل فرمایا، مرحوم کا یہ طرز گو اچھوتا نہ تھا، لیکن پورے قرآن میں اس کا التزام بالکل نئی بات تھی جسے علمی حلقوں میں بہت پسند کیا گیا۔

مرحوم کی ذہانت:

ذہین آدمی نظریات میں پہلی رایوں کا پابند نہیں رہتا، تحقیق پسند طبائع کبھی پرانی راہوں سے الگ راہ تلاش کرتی ہیں۔ مناظر مزاج آدمی کے ذہن پر کچھ اور بھی ذمہ داریاں

Scanned with CamScanner

ہوتی ہیں، وہ دشمن کی گرفت سے بچنا چاہتا ہے، اس راہ میں جہاں بیسیوں کو متاثر کرتا ہے کہیں خود بھی متاثر ہوتا ہے، وہ کوشش کرتا ہے کہ دیکھی بھالی راہوں سے کوئی الگ راہ تلاش کرے، ابوالحسن اشعری، بیہقی، ابن خزیمہ، ابن حزم جیسے آئمہ سنت ہمارے سامنے ہیں۔ ان حضرات نے جہاں متکلمین پر بھرپور وار کئے ہیں، کہیں کہیں ان سے متاثر بھی نظر آتے ہیں' خود متکلمین جنہوں نے فلاسفہ سے ان کی زبان اور اصول میں گفتگو کی، ان کے کئی اصولوں کو پاش پاش کیا' وہاں اہل سنت کے حلقوں میں ان کی آبلہ پائی کے تذکرے بھی ملتے ہیں، ان حضرات پر حافظ ابن تیمیہ کا ارشاد لا للاسلام نصروا ولا للفلاسفة کسروا کتنا جارہانہ حملہ ہے، مناظرات میں اس قسم کا تاثر اور تاثیر قدرتی چیز ہے۔

مرحوم مولانا ثناء اللہ صاحب نے تفسیر القرآن میں بعض مقامات پر ایسی راہیں اختیار کیں، جو پہلے لوگوں کی نظر میں اجنبی تھیں، اور بعض مغلق مقامات کے حل میں ایسے گوشے اختیار فرمائے جو پہلے بزرگوں کے ہاں متعارف نہ تھے، اس سے اختلاف قدرتی امر تھا، مولانا نوجوان تھے، طبیعت میں جلال تھا فنون پر نظر تھی تھوڑے عرصہ میں اختلاف نے مخالفت کی صورت اختیار کی، اور مخالفت نے ہنگامہ بپا کر دیا، اس ہنگامہ میں بعض بنیادی مسائل پیدا ہو گئے۔ اتباع سلف، تفسیر سلف کی حجیت، اجماع کا امکان اور اس کی حجیت، ابتداء میں مولانا محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی، حضرت مولانا حافظ عبدالمنان صاحب محدث وزیرآبادی ہندوستان کے بہت سے اکابر مولانا کے خلاف اگلی صفوں میں تھے، لیکن بتدریج اس ہنگامہ کا اثر ذہنوں سے اترتا گیا، بہت لوگ تفسیری تسامحات کو مانتے تھے، لیکن ہنگامہ سے بالکل الگ ہو گئے، مولٰنا ثناء اللہ صاحب کے مخالفین میں غزنوی اکابر حضرت مولٰنا عبدالجبار صاحب غزنوی، مولٰنا عبدالواحد صاحب غزنوی، مولٰنا عبدالرحیم صاحب، اور مولانا عبدالاول صاحب غزنوی رحمۃ اللہ علیہم اس اختلاف کے اہم عناصر تھے، لیکن ان کی مخالفت معقول اور مسائل کی حد تک تھی، اور بوقت ضرورت تھی، وظیفہ نہیں تھا، جہاں تک خیال ہے، ان حضرات نے اپنی ذاتیات کی آلائشوں سے اسے ہمیشہ پاک رکھا۔ یہ

Scanned with CamScanner

حضرات عمر میں مولانا سے بڑے تھے، ان کا علمی اقتدار، زہد وتقویٰ علمی حلقوں میں مسلّم تھا، مولانا کی ذہانت، ان کا مناظرانہ انداز بہت کم مؤثر ہو سکا مولانا بھی ان کا ہمیشہ احترام فرماتے کوئی تیز لفظ ان کے خلاف نہیں کہتے تھے۔

مولانا سے کچھ معمر مولانا فقیر اللہ مدارسی اور قاضی عبدالاحد صاحب رحمہم اللہ تھے، ان دونوں بزرگوں نے مرحوم کے خلاف بہت کچھ لکھا۔ لیکن ان کا انداز چنداں جاذب نہ ہو سکا، اور اس اثناء میں مولانا اپنی ہمہ گیر خدمات کی وجہ سے علمی حلقوں پر چھا چکے تھے، مولانا کی تالیفات اور مناظرات نے ایک ایسا ماحول پیدا کر لیا تھا کہ یہ مخالفت اپنے لیے کوئی حلقہ بھی پیدا نہ کر سکی صرف آواز تھی تھوڑے سے تموج کے بعد فضا میں گم ہو کر رہ گئی۔ اس کے بعد اس مخالفت کی نقل روپڑی حلقوں کی طرف سے ہوتی رہی، ابتداء میں چند افراد متاثر بھی ہوئے، لیکن ان حضرات میں اس قدر کمزوریاں اور عملی فروگذاشتیں تھیں کہ اس آواز کو صدا بصحرا ہی سمجھنا چاہیے۔ اس کے علاوہ مولانا کا علمی وقار اور تقویٰ اور معاملات میں ذہانت کا اثر اتنا ہی وقیع تھا، جس طرح مولٰنا عبدالجبار صاحب غزنوی واخوانہ کا اثر اپنے وقت میں، اس لئے اس اختلاف کو نہ جماعت کے عوام نے کوئی وقعت دی نہ مرحوم نے اسے کبھی اہمیت دی، حضرت جنید وقت قاضی محمد سلیمان صاحب منصور پوری، حضرت لقمان زماں مولٰنا عبدالقادر صاحب قصوری نے کئی دفعہ اس نزاع کو ختم کرانے کی کوشش فرمائی۔ لیکن روپڑی حضرات کی روش کبھی بھی معقول نہیں سمجھی گئی، اس لئے یہ نزاع اور بھی بے اثر ہو گئی۔

۱۹۴۷ء میں ملک تقسیم ہو گیا، مرحوم پہلے گجرانوالہ تشریف لائے پھر سرگودھا میں مستقل سکونت اختیار فرمائی۔ ۱۹۴۸ء میں یہ علم وفضل کا بادشاہ اور مسلک اہل حدیث کا یکتا خادم آخری نیند سو گیا، اس نوزائیدہ ملک میں جب کہ ان کی خدمات کی بے حد ضرورت تھی، جماعت کو نوآموز ہاتھوں میں چھوڑ کر رخت سفر باندھ لیا، اور اپنی آخری آرامگاہ میں سامان سفر ڈال دیا، آج مولانا ہم میں نہیں لیکن ان کے آثار ابھی نمایاں ہیں۔

Scanned with CamScanner

ابھی اس راہ سے گذرا ہے کوئی
کہے دیتی ہے شوخی نقش پا کی

مولانا کے باقیات صالحہ:

مرحوم کی پوری عمر پنجاب میں گذری، انتقال پنجاب میں ہوا۔ فرض تھا کہ جماعت اہل حدیث پنجاب ان کے علمی آثار کو زندہ رکھتی لیکن ہمیں اپنے قصور کا اعتراف ہے کہ ہم اس فرض کی ادائیگی میں قاصر رہے۔

برادر محترم مولٰنا محمد داؤد راز صد ہزار مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے مولانا کی قیمتی یادگاروں کے احیاء کا شرف حاصل کیا۔ فتاویٰ ثنائیہ اور حواشی ثنائیہ ایسے علمی ذخیروں کو شائع فرما کر استفادہ کا موقع دیا۔

نگاہ ناز جسے آشنائے راز کرے
وہ اپنی خوبی قسمت پہ کیوں نہ ناز کرے

ولو قبل مبکاها بکیت صبابة
یسعدی شفیت النفس قبل التندم
ولکن بکت قبلی فهیج لی البکاء
بکاها فقلت الفضل للمتقدم

پیش نظر حواشی تفسیر ثنائی اردو سے بھی لئے گئے ہیں۔ پہلے ایڈیشن میں بعض مقامات کا اندراج مرحوم کی تحقیق کے مطابق ہو گیا، ان میں بعض مقامات سلف کی متعارف راہوں سے مختلف تھے، اس ایڈیشن میں ان مقامات کی اصلاح کر دی گئی، اور آئمہ سلف کے متعارف اور مشہور مسلک کو ترجیح دی گئی ہے، مرحوم کے ساتھ انتہائی عقیدت کے باوجود بحمد اللہ ہماری راہ تقلید و جمود کی نہیں۔ جماعت اہل حدیث ہند اور ان کے کارکن خدام مولانا راز

Scanned with CamScanner

وغیرہ سب سلفی العقیدہ ہیں، اور اسی عقیدہ کی اشاعت جماعت کا مطمع نظر رہا ہے خود مرحوم نے بھی تفسیر قرآن کے دوسرے ایڈیشن میں بعض مقامات کی اصلاح فرمائی تھی، مولٰنا راز نے اسی کا تتبع فرمایا ہے۔(۱)

مسئلہ صفات:

مسئلہ صفات کے متعلق اب وہ تیسری صدی کی ہنگامہ آرائیاں تو نہیں۔ تاہم متکلمین کے اعتقادی اثرات اب تک قائم ہیں۔ ہمارے زمانہ میں ارباب تقلید کا عجیب حال ہے وہ بیک وقت تین اماموں کی تقلید کرتے ہیں، عقائد میں ابوالحسن اشعری یا ماتریدی کی، تصوف میں ان کی نظریں شیخ عبدالقادر جیلانی اور باقی متعارف سلاسل کی اقتداء کے لیے بے قرار ہوتی ہیں۔ اور فروع فقہیہ میں وہ آئمہ اربعہ کی تقلید کو واجب فرماتے ہیں۔ اس کے باوجود انہیں شبہ بھی نہیں ہوتا کہ وہ غیر مقلد ہیں، اہل حدیث اصول اور فروع عقائد اور فقہی احکام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے رفقاء کی اقتداء اور صحابہ کی آرا کا تتبع ضروری سمجھتے ہیں، اس سے علیحدگی کو وہ کسی قیمت پر گوارا نہیں کرتے۔ مرحوم مولانا ثناء اللہ صاحب مسئلہ صفات میں متکلمین سے متاثر تھے، اس لئے اکابر جماعت کو ان سے شکر رنجی

---

(۱) اخبار اہلحدیث ۲۴ شعبان ۱۳۳۸ھ کے ص ۸ پر مرحوم مولانا ثناء اللہ صاحب نے مودت نامہ کے عنوان سے ایک صاحب کے جواب میں تحریر فرمایا ہے کہ غلطی سے کون خالی ہے، میری تفسیر کیا کوئی بھی تفسیر غلطی بلکہ اغلاط سے خالی نہیں۔ منصفان آرہ کے فیصلہ کے مطابق رہی مذکورہ تفسیری اغلاط، سو میں طبع ثانی کے وقت غور کر کے ان کی تصحیح یا اصلاح کر دوں گا، میرے تصحیح کرنے سے قبل متنازع مقامات میں جو صاحب فریق ثانی کے معنی کو صحیح جانتے ہیں۔ وہ ابھی سے حاشیہ پر اس کو لکھ لیں۔ مرحوم کے اس اعلان کے بعد بھی جو لوگ ایسی اغلاط کی آڑ میں مرحوم کے خلاف فتویٰ جاری کرتے رہتے ہیں۔ انصاف پسند حضرات فیصلہ کریں گے کہ ان کی روش کہاں تک درست ہے۔ (خادم محمد داؤد راز عفی عنہ)

صد افسوس کہ آج راقم مقدمۃ القرآن حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب مرحوم کے لیے بھی ہماری آنکھیں رو رہی ہیں، مرحوم کی جدائی نے مجھ ناچیز کو علمی میدان میں یتیم کر دیا، اللہ پاک آپ کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اور آپ کو فردوس بریں میں جگہ دے بہ چشم نم عرض گذار ہوں۔ واحسرتا یاران من تنہا مرا بگذاشتند، (محمد داؤد راز ربیع الاول ۱۳۹۰ھ)

رہی، آخر عمر میں مرحوم نے بھی تاویل کے بجائے تفویض کی راہ اختیار فرمائی تھی، جس کا تذکرہ انہوں نے تفسیر القرآن کے دوسرے ایڈیشن میں ص: ۱۲۵ مسئلہ استواء میں تفصیلاً فرمایا ہے، لیکن اس تفویض میں بھی مرحوم کا رجحان اس تفویض کی طرف رہا جسے غزالی نے آخر عمر میں پسند فرمایا تھا۔ معلوم ہے کہ یہ تفویض آئمہ سنت امام مالک، امام احمد، امام شافعی، امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہم کی تفویض سے مختلف ہے، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہوں مصنفات شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ، ابن قیمؒ (المنار ۱۹۲۵ء)۔

یہ چند سطور اظہار حقیقت کے طور پر عرض کی گئی ہیں، ورنہ میری کیا بساط کہ ایسے جامع الفنون عالم کے نظریات کے متعلق کچھ عرض کر سکوں۔ مرحوم نے اسلام کی جو خدمات کی ہیں، میرے سامنے ہیں، اور مسلک اہل حدیث کے لیے انہوں نے جو قربانیاں فرمائی ہیں، میری نظر میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو فردوس میں جگہ دے اور ہماری لغزشوں کو معاف فرمائے، اور توفیق دے کہ ہم آئمہ سلف کی اقتداء کر سکیں۔

مرحوم جید عالم تھے اور پاک و ہند کے مشہور اہل علم اور اہل قلم، لیکن مرحوم کی زندگی نہایت سادہ تھی زہد و ورع کی نمائش اور اس کے لیے تصنع مرحوم کے قریب تک نہیں آیا تھا۔ مجھے مرحوم کا مقام، ان کی متکلمانہ اور مناظرانہ مجبوریاں معلوم ہیں۔ اور مرحوم کے مخالفین کے انداز زندگی بھی معلوم ہیں۔ ۱۹۴۸ء کے بعد مجھے مرحوم کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا ہے، مرحوم بے حد محتاط تھے، اکل حلال کے متعلق مرحوم کے جذبات بے حد نازک تھے۔ مرحوم الاٹمنٹ کے جھمیلے سے بہت پرہیز کرتے تھے، مصنوعی جائداد اور کلیموں کی مبالغہ آمیزیوں سے سخت نفرت تھی۔ اس کے بالمقابل ارباب تقویٰ کی ہوشمندیاں، اور صنعتکاریاں بھی دنیا کی نظروں میں ہیں۔ مسائل میں اختلاف ہو سکتا ہے اعتدال کے ساتھ اس کے متعلق اظہار میں بھی کوئی حرج نہیں، اس میں لغزشیں بھی ہو سکتی ہیں، من ذا الذی ماساء قط ومن له

الحسنی فقط اصل کسوٹی عمل ہے معاملات میں اللہ تعالیٰ لطیف وخبیر ہے، اس کی نظر ہمارے ظاہر و باطن پر ہے، جہاں تک ظاہر حالات کا تعلق ہے میں نے مرحوم کے حالات کو اکابر اہل اللہ کے برابر پایا۔ اس کی رحمت ہمارے فتویٰ کی محتاج نہیں، نہ اس کی رحمت ہمارے نمائشی زہد و تقویٰ کی مرہون ہے، استحقاق اور عدم استحقاق کا فیصلہ وہی فرمائے گا ۔

اذا اشتبکت دموع فی خدود

تبین من بکی ممن تباکی

ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین امنوا ربنا انك رؤف الرحیم و صل الله علی محمد و علی اله و اصحابه اجمعین۔

(حضرت العلام مولانا) محمد اسمعیل (مرحوم)

جامع اہل حدیث گوجرانوالہ چاہ شاہان

(ناظم اعلیٰ جمعیت اہل حدیث مغربی پاکستان)

۹ صفر المظفر ۱۳۸۰ھ مطابق ۳۰/ اگست ۱۹۶۰ء

Scanned with CamScanner

ہماری دیگر کتابیں

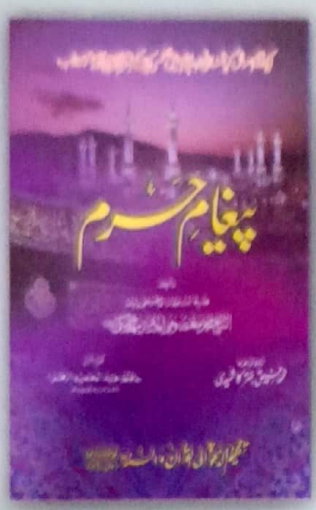

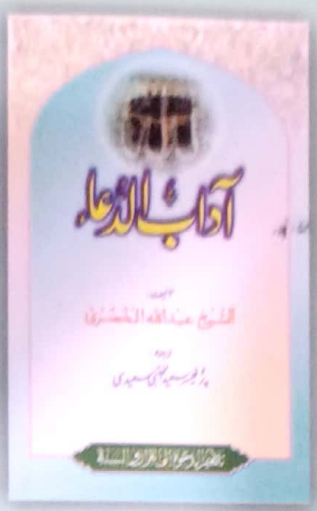

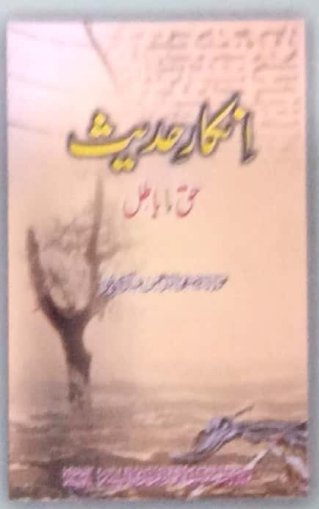

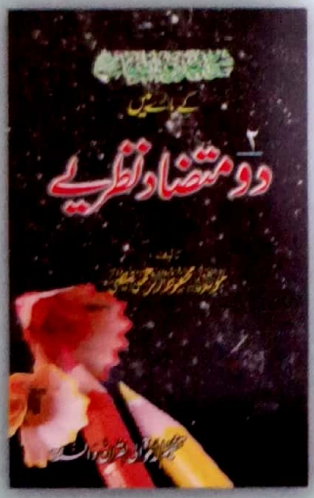

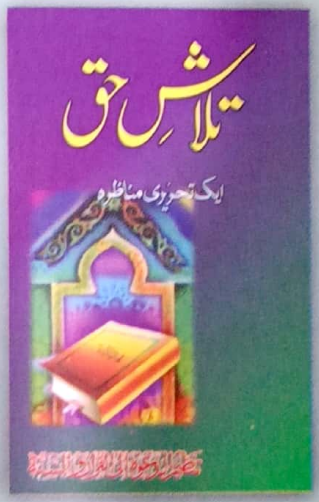

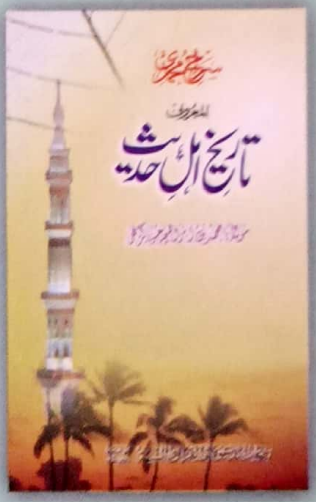

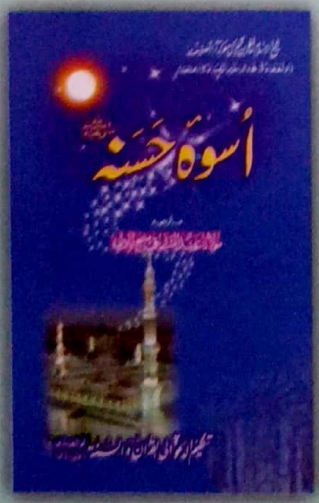

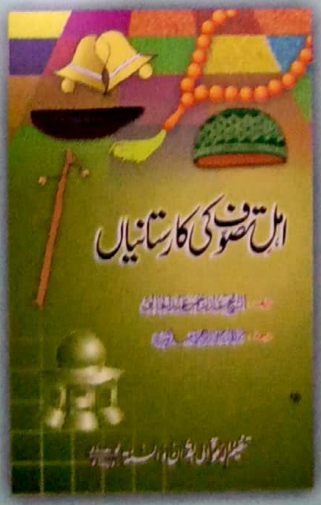

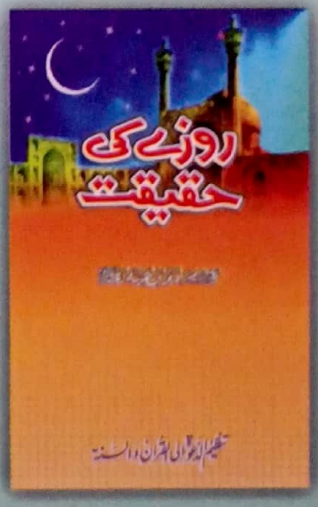

تنظیم الدعوۃ الی القرآن والسنۃ

۴۶۳۹/1 مسجد الرحمٰن گوالمنڈی راولپنڈی

Scanned with CamScanner